عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

توبہ کی منادی!

ممبئی حملوں کے بعد بھارت کی طرف سے جس جارحانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا گیا اس پر ہمارے حکمرانوں کا رویہ غیر متوقع اور نا قابل فہم نہیں ہے۔ اس لیے کہ آج اُمت مسلمہ واقعتاً بے چارگی و لاچارگی کی وہ عملی تصویر بنی ہوئی ہے جس کا نقشہ حدیثِ نبویؐ میں یوں کھینچا گیا ہے کہ اقوامِ عالم تمہیں لقمۂ تر سمجھتے ہوئے تم پر چڑھ دوڑیں گی اور کثرتِ تعداد کے باوجود تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر آ جانے والے جھاگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس بے کسی ودرماندگی کا سبب بھی بیان فرما دیا گیا کہ تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت گھر کر جائے گی اور تم موت کے خوف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُمت مسلمہ دنیا میں ذلت ومسکنت کی جیتی جاگتی تصویر بن چکی ہے اور یہود و ہنود‘ جن کی بزدلی کبھی زبان زدِ عام تھی‘ آج مسلمانوں کے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ مقامِ عبرت ہے کہ ایٹمی ڈیٹرنٹ رکھنے کے باوجود ہمارے حکمران دشمن کے خوف سے کانپ رہے ہیں اور اسے بار بار ایٹمی آپشن استعمال نہ کرنے کی یقین دہانی کرا رہے ہیں۔ آج اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت اور اس کی نظر کرم سے محروم ہیں تو اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ خود ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیر کر اپنا قبلہ واشنگٹن کو بنا لیا اور اپنا مطلوب ومقصود اِس دنیائے فانی کو ٹھہرا لیا۔ آج ہمارے عوام سے لے کر حکمران طبقہ تک سب کا مطمحِ نظر دُنیوی آسائشوں اور دُنیوی مفادات کے سوا کچھ اور نہیں۔

پاک بھارت کشیدگی کے تناظر میں امریکہ کا کردار بھی واضح ہو کر سامنے آ گیا ہے کہ وہ پاکستان کا دوست نہیں بلکہ بھارت کا سرپرست ہے۔ نائن الیون کے بعد ہمارے فوجی آمر نے ایک دھمکی پر امریکہ کے سامنے سر جھکا دینے کی مصلحت یہ بیان کی تھی کہ اس طرح ہم نے امریکہ کو اپنا ہمنوا اور دوست بنا لیا ہے اور اس کے عتاب سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم امریکہ کے اشارے پر اپنی ہر چیز قربان کرتے چلے گئے اور اپنے دین وایمان‘ غیرتِ ملّی‘

اسلامی اقدار اور نظریۂ پاکستان سے دست بردار ہوتے چلے گئے —— اور آج پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ امریکہ کس کا پشت پناہ ہے! جس امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بن کر ہم اپنی فوج اور عوام کو باہم لڑوا رہے ہیں اور اپنے ہی جسد ملی پر خنجر زنی کر رہے ہیں وہ آج ہمیں بھارت کی بالا دستی قبول کرنے اور اس کے سرجیکل حملے خاموشی سے برداشت کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر ہم قومی سطح پر اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر تیار نہ ہوں تو روئے ارضی پر ہم سے بڑھ کر احمق اور بیوقوف قوم اور کون ہوگی؟ اگر ہم امریکی غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتارنے پر تیار ہوں تو جنوبی ایشیا میں پاکستان کی جیوپولیٹکل پوزیشن کے اعتبار سے چین ہمارا بہترین دوست ثابت ہوسکتا ہے۔

موجودہ تشویشناک صورت حال میں ہمیں مؤمنانہ جرأت و فراست اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان ایمانی حقائق کا شعور ہونا چاہیے کہ کل قوتوں کا مالک اللہ ہے اور وہ ہماری مدد پر قادر ہے۔ ہم اپنے دشمنوں پر اُسی وقت غالب ہو سکتے ہیں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں' اور یہ تبھی ممکن ہے جب ہم اللہ کے وفادار بنیں اور انفرادی و اجتماعی سطح پر اُس کے حضور توبہ کرتے ہوئے اُسے مدد کے لیے پکاریں۔ قوم کا ایک قابل ذکر حصہ توبہ کرے گا تو اللہ کی رحمت یقیناً ہم پر متوجہ ہوگی۔ اس توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ قومی سطح پر بھی اور ذاتی سطح پر بھی ہم مغربی طرزِ معاشرت کو خیر باد کہہ کر اسلامی معاشرت کو فروغ دیں' اپنی معیشت کو سود سے پاک کریں اور امریکہ کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی قبول کرنے کا شعوری فیصلہ کریں۔ ہماری اجتماعی توبہ کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اپنے دستور کو منافقت سے پاک کریں اور ہماری قومی اسمبلی یہ طے کرے کہ دستور میں قرآن و سنت کو بالا دستی حاصل ہوگی اور قرارداد مقاصد کو دستور کی ہر شق پر فوقیت حاصل رہے گی۔ اس طرح ہم نصرتِ خداوندی کے مستحق اور وعدۂ الٰہی ﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ کے مصداق بن سکتے ہیں' اور جب اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہوگا تو دنیا کی کوئی قوت ہم پر غالب نہیں آ سکتی۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے!

❁❁❁

بیان القرآن (حصہ اوّل) کی

تقدیم

ڈاکٹر اسرار احمد

اِن سطور کے ناچیز راقم کو قرآن مجید کا مفسّر تو بہت دُور کی بات ہے‘ مروّجہ مفہوم کے اعتبار سے ”عالمِ دین“ ہونے کا بھی ہرگز کوئی دعویٰ نہیں ہے‘ تاہم‘ خالصتاً ”تحدیثًا لِلنّعمة“ (بجوائے ”وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ“) اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے اعتراف واظہار میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی کہ اس نے اپنے خاص فضل وکرم سے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اوائل عمر ہی میں قرآنِ حکیم کے ساتھ ایک دلی انس اور ذہنی مناسبت قائم ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ اوّلاً بالکل ہی نوعمری میں (ہائی سکول کے ابتدائی سالوں کے دوران) علاّمہ اقبال کی شاعری کے ذریعے قرآن کی عظمت‘ ملّتِ اسلامی کی نشأۃِ ثانیہ کی امید اور اس کے ضمن میں قرآن کی اہمیت کا ایک گہرا نقش قلب پر قائم فرما دیا‘ پھر ایک خاندانی روایت کے مطابق ہائی سکول کی تعلیم کے دوران عربی کو ایک اضافی مضمون کی حیثیت سے اختیار کرنے کی صورت پیدا فرما دی جس سے عربی گرامر کی اساسات کا علم حاصل ہوگیا —— اور پھر میٹرک کے امتحان کے بعد فراغت کے دنوں میں‘ جبکہ ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فسادات کے نتیجے میں ہم لگ بھگ ایک ماہ قصبہ حصار (جو اَب بھارت کی ریاست ہریانہ میں ہے) میں ہندوؤں کے حملوں سے دفاع کے لیے چند محلّوں پر مشتمل ایک دفاعی بلاک میں ’محصور‘ تھے‘ قرآن حکیم سے پہلے معنوی تعارف کی یہ صورت پیدا فرما دی کہ مجھے اور میرے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب مرحوم کو ایک مسجد میں بیٹھ کر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی ماہنامہ ”ترجمان

القرآن'' میں شائع ہونے والی تفسیرِ سورۃ یوسفؑ کے اجتماعی مطالعے اور اس پر باہمی مذاکرے کا موقع ملا' جس سے اندازہ ہوا کہ قرآن فصاحت و بلاغت کی معراج اور سرچشمۂ ہدایت ہی نہیں منبعِ علم وحکمت بھی ہے' اور واقعتاً اِس لائق ہے کہ بہترین ذہنی وفکری صلاحیتوں کو اس کے علم وفہم کے حصول میں اس طور سے صرف کیا جائے کہ اوّلاً اس کے عمومی پیغام کو صحیح طور پر سمجھیں جو کہ علم وحکمت کے اس بحرِ زخّار کی سطح پر بالکل اسی طرح تیر رہا ہے جیسے کسی تیل بردار جہاز میں شکست وریخت کے باعث اس سے نکل کر بہنے والا تیل سطحِ سمندر پر تیر رہا ہوتا ہے' اور پھر اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کر کے اس کی تہہ سے اس کے فلسفہ وحکمت کے اصل موتیوں کو تلاش کریں!

الحمدللہ' ثم الحمدللہ' کہ یہ ان ہی امورِ ثلاثہ کے نتیجے کا ظہور تھا کہ جب تقسیم ہند کے وقت ایک سو ستر میل کا سفر (حصار تا ہیڈ سلیمانکی) پیدل قافلے کے ساتھ آگ اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان پہنچنا نصیب ہوا تو فوراً تحریکِ جماعتِ اسلامی کے ساتھ عملی وابستگی ہوگئی (جو اوّلاً اسلامی جمعیتِ طلبہ میں شمولیت کی صورت میں تھی' اور اس کے بعد جماعتِ اسلامی کی رکنیت کی شکل میں!) اور اس پورے دس سالہ عرصے کے دوران جمعیت اور جماعت کے اجتماعات میں ''درسِ قرآن'' کی ذمہ داری عموماً مجھ پر عائد ہوتی رہی۔ جسے بالعموم بہت استحسان کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا — اگرچہ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سامعین کی جانب سے یہ تحسین وتعریف اقبال کے اس شعر کے عین مطابق ہے کہ ؎

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے! شاعری کیا ہے!!

مزید برآں میں ہرگز اس کا دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ میرے اس تعلّم وتدبّرِ قرآن کے ذوق وشوق میں روز افزوں اضافے میں اس خارجی پسندیدگی کی بنا پر پیدا ہونے والی 'ہمت افزائی' کو سِرے سے کوئی دخل حاصل نہیں تھا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے دروس کے لیے تیاری کے ضمن میں جو مطالعہ کرتا اور مختلف عربی اور اردو تفاسیر سے رجوع کرتا اور پھر اپنے ذاتی غور وفکر سے بھی کام لیتا تو اس کے نتیجے میں مجھ پر قرآن کی عظمت مزید منکشف ہوتی چلی

گئی — اور اس قول کو ہرگز کسی مبالغے پر مبنی نہ سمجھا جائے کہ قرآن نے مجھے اپنا ''اسیر'' (possess) کرلیا۔ چنانچہ یہ اسی اسیری کا مظہر ہے کہ میں نے ۱۹۵۲ء ہی میں (بیس سال کی عمر میں) میڈیکل ایجوکیشن کے عین وسط میں یہ شعوری فیصلہ کرلیا تھا کہ اب یہ طب کی تعلیم بھی اور طبابت کا پیشہ بھی' سب میری ترجیحات میں نمبر دو پر رہیں گے' اوّلین ترجیح خدمتِ قرآن حکیم اور خدمت دین متین کو حاصل رہے گی! اور پھر ۱۹۷۱ء میں قمری حساب سے چالیس سال کی عمر میں جب یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے مجھ پر اپنی شانِ ''عَلَّمَ الْقُرْآنَ'' کے ساتھ ساتھ ''عَلَّمَهُ الْبَيَانَ'' کا بھی کسی درجے میں فیضان فرما دیا ہے تو اپنے پیشۂ طبابت کو بالکل خیر باد کہہ کر اپنے آپ کو ہمہ تن اور ہمہ وقت قرآنِ مبین اور دینِ متین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل وکرم اس اعتبار سے بھی ہوا کہ اس نے مجھے کسی ایک لکیر کا فقیر ہونے سے بچالیا — چنانچہ قرآن کے علم وفہم کے ضمن میں میرے استفادے کا حلقہ بہت وسیع بھی ہے — اور بعض اعتبارات سے تضادات کا حامل بھی! — میں نے اپنی ایک تالیف ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر'' میں اس کی پوری تفصیل درج کردی ہے کہ میرے علم وفہمِ قرآن کے ''حوض'' میں تفسیر قرآن کے چار سلسلوں کی نہروں سے پانی آتا رہا' جن پر پانچواں اضافہ میری تعلیم میں شامل علومِ طبیعیہ کے مبادیات کا علم تھا — پھر اللہ نے مجھے جو منطقی ذہن عطا فرمایا تھا اس کے ذریعے ان پانچ سلسلوں سے حاصل شدہ معلومات میں ''تجمیع وتوافق'' (Synthesis) قائم کیا۔ جس کی بنا پر بحمد اللہ میرے ''بیان القرآن'' کو ایک جامعیت حاصل ہوگئی۔ اور غالباً یہی اس کی مقبولیت کا اصل

(۱) اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر نامناسب نہیں ہوگا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب میرے اور مولانا اصلاحی صاحب کے مابین کچھ نظریاتی اختلاف پیدا ہوگیا تھا — ایک صاحب جن کا نام ڈاکٹر انوار احمد بگوی تھا (جو صوبائی محکمہ صحت میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے' اور غالباً اب ریٹائر ہوچکے ہوں گے) جو مولانا اصلاحی کے غایت درجہ معتقد تھے اور مجھ سے شدید اختلاف رکھتے تھے' انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا کہ: ''یہ بات بہرحال ماننی پڑتی ہے کہ آپ کے درس سے بالکل خالی ہاتھ کوئی بھی نہیں اٹھتا' ہر شخص ضرور کچھ نہ کچھ لے کر اٹھتا ہے!''

رازہے۔(۱) واللہ اعلم!

ایک مستند ''عالمِ دین'' نہ ہونے کے باوجود جس چیز نے مجھے درس وتدریسِ قرآن کی جرأت (بلکہ ٹھیٹھ مذہبی حلقوں کے نزدیک ''جسارت'') کی ہمت عطا فرمائی' وہ نبی اکرمﷺ کا یہ قولِ مبارک ہے کہ: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً)) یعنی ''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت!'' (صحیح بخاریؒ اور اس کے علاوہ ترمذیؒ' احمدؒ اور دارمیؒ)۔ چنانچہ میرے نزدیک جن علومِ دینی کی تحصیل کو علماءِ کرام لازمی قرار دیتے ہیں وہ کسی کے ''مفتی'' بننے کے لیے تو لامحالہ لازمی ہیں' لیکن قرآن کے داعی اور مبلّغ بننے کے لیے ہرگز ضروری نہیں ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کا پیغام اگرچہ تاقیامِ قیامت پوری نوعِ انسانی کے لیے تھا' تاہم اس کے اوّلین مخاطَب تو ''اُمّی'' تھے ___ چنانچہ قرآن کے اصل پیغام کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ''یسیر'' صورت میں' جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا' ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر تیرنے والے تیل کے مانند پیش کیا (یہی وجہ ہے کہ سورۃ القمر میں چار بار فرمایا گیا کہ: ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴾ یعنی ''ہم نے نصیحت و ہدایت کے لیے قرآن کو بہت آسان بنا دیا ہے' تو ہے کوئی جو اس سے تذکّر حاصل کرے!'')

قصۂ مختصر ___ لاہور میں ۱۹۶۵ء سے میرے باضابطہ حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن قائم ہوئے تو اس کے نتیجے میں پہلے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور قائم ہوئی' جس کی کوکھ سے ذیلی انجمنوں کا ایک سلسلہ برآمد ہوا (کراچی' ملتان' فیصل آباد' جھنگ' کوئٹہ' اسلام آباد' پشاور) پھر ۱۹۷۶ء میں لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہوئی' اور اس کی 'بیٹیوں' کے طور پر کراچی' ملتان' فیصل آباد اور جھنگ میں بھی اکیڈمیاں وجود میں آئیں۔ ساتھ ہی پاکستان کے طول وعرض میں بڑے بڑے شہروں میں میرے درسِ قرآن کی محفلیں منعقد ہونے لگیں' پھر قرآنی تربیت گاہوں (جو ایک ہفتہ سے لے کر ایک مہینے تک کے عرصے پر محیط ہوتی تھیں) کا سلسلہ شروع ہوا' ___ ادھر لاہور میں سالانہ قرآن کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہوا اور پھر جب پاکستان ٹیلی ویژن پر یہ درس قرآن شروع ہوا تو اوّلاً الکتٰب' پھر الٓمّٓ پھر نبیٔ کامل (ﷺ) اور بالآخر ''الھُدیٰ'' کا ہفتہ وار پروگرام جو پورے پندرہ مہینے اِس شان

سے جاری رہا کہ ہفتے کے ایک ہی دن‘ ایک ہی وقت پر‘ پاکستان کے تمام ٹی وی سٹیشنوں سے نشر ہوتا تھا ـــــ تو اس زمانے میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی بنا پر مجھے اپنے بارے میں وہ شدید اندیشہ لاحق ہو گیا تھا جس کا ذکر ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’کسی شخص کی تباہی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس کی جانب انگلیاں اٹھنی شروع ہو جائیں!‘‘ اس پر دریافت کیا گیا کہ: ’’اگر یہ کسی خیر کی بنیاد پر ہو تو کیا تب بھی؟‘‘ تو آپؐ نے فرمایا: ’’ہاں تب بھی‘ اس لیے کہ اس سے انسان کے لغزش میں مبتلا ہونے (یعنی اس میں عُجب اور تکبّر جیسی ہلاکت خیز بیماریوں کے پیدا ہو جانے) کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے ـــــ اِلاّ یہ کہ اللہ کی رحمت شاملِ حال ہو!‘‘ (اس حدیث کو محدّث ذہبیؒ نے حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کیا ہے‘ اگرچہ اس کی روایت میں کسی قدر ضعف موجود ہے) اس لیے کہ اس زمانے میں فی الواقع کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ میں جدھر جاتا تھا لوگ ایک دوسرے کو اشاروں کے ذریعے میری طرف متوجہ کرتے تھے ـــــ یہ بھی اُس زمانے کی بات ہے کہ مجھ سے متعدد لوگوں نے تفسیر قرآن لکھنے کی فرمائش کی‘ اور ایک پبلشر نے تو بہت اصرار کیا کہ آپ ایک ترجمۂ قرآن ہی لکھ دیں ـــــ لیکن میں نے ہمیشہ اور سب سے یہی کہا کہ یہ میرا مقام نہیں ہے! ـــــ

اس دعوتِ قرآنی میں اگرچہ میرا زیادہ زور قرآن کے چیدہ چیدہ مقامات پر مشتمل مطالعۂ قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کے درس پر رہا لیکن بحمد اللہ دو بار پورے قرآن مجید کا درس دینے کی سعادت بھی حاصل ہوئی‘ اگرچہ وہ سارا ٹیپ پر ریکارڈ شدہ موجود نہیں ہے!

اس دعوتِ قرآنی کا نقطۂ عروج یہ تھا کہ ۱۹۸۴ء (۱۴۰۴ھ) میں نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز ہوا۔ چنانچہ ہر چار رکعت تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح بیان ہوتی تھی ـــــ پھر نماز میں ان کی سماعت ہوتی تھی‘ جس کے نتیجے میں‘ بعض لوگوں میں کم اور بعض میں زیادہ‘ وہ کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جسے اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے کہ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف!

اس عمل کے نتیجے میں نمازِ عشاء اور نمازِ تراویح کی تکمیل میں لگ بھگ چھ گھنٹے صرف ہوتے تھے ـــــ اور بحمداللہ سامعین کا جوش وخروش اور ذوق وشوق دیدنی ہوتا تھا ـــــ اور ثم الحمد للہ کہ اب یہ سلسلہ پاکستان کے بہت سے مقامات پر میری صُلبی اور معنوی اولاد کے ذریعے جاری ہے!

اس سلسلے میں دورۂ ترجمہ کا جو پروگرام ۱۹۹۸ء میں کراچی کی قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں ہوا اس کی آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ اعلیٰ معیار پر کی گئی تھی۔ چنانچہ یہ بحمداللہ آڈیو ویڈیو کیسٹوں اور C.D.s اور D.V.D.s اور ٹی وی چینلز کے ذریعے پوری دنیا میں نہایت وسیع پیمانے پر پھیل چکا ہے ـــــ اور اب اسے کتابی شکل میں بھی شائع کرنے کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے، جس کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہے! اس کی طباعت واشاعت کے سلسلے میں انجمن خدام القرآن صوبہ سرحد کے صدر جناب ڈاکٹر اقبال صافی نے تاکید کا جو دباؤ مرکزی انجمن پر برقرار رکھا اور مالی تعاون بھی پیش کیا' اس کی بنا پر اس سے استفادہ کرنے والے ہر شخص پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کے لیے دعائے خیر ضرور کریں۔

آخری بات یہ کہ اس ''بیان القرآن'' کے ضمن میں اگر اصحابِ علم میری غلطیوں کی نشاندہی کریں تو میں ممنون ہوں گا ـــــ اور آئندہ طباعت میں تصحیح بھی کر دی جائے گی۔ اس بات کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ میں نہ مفسّر ہونے کا مدّعی ہوں نہ عالم ہونے کا' بلکہ صرف اللہ کے کلامِ پاک اور اس کے دینِ متین کا ادنیٰ خادم ہوں۔ اور میری سب حضرات سے اِستدعا ہے کہ میرے حق میں دعا کریں کہ اللہ میری مساعی کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنا دے۔ آمین! یاربَّ العٰلمین!

(نوٹ: اِس پوری بحث میں مَیں نے اقامتِ دین کی عملی جدوجہد کے لیے تنظیم اسلامی کے قیام کا ذکر نہیں کیا ـــــ اس لیے کہ یہ ایک مستقل اور جداگانہ باب ہے' اور اس مختصر 'تقدیم' میں نہ اس کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ تاہم اس کے لیے میری تالیفات ''تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ'' اور ''سلسلۂ اشاعت تنظیم اسلامی'' از اوّل تا دہم کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

دورۂ ترجمۂ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ آل عمران

تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کے آغاز میں واقع مکی اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں مدنی سورتوں کے جو دو جوڑے آئے ہیں‘ ان میں سے پہلے جوڑے کی پہلی سورت ’’سورۃ البقرۃ‘‘ کے ترجمے اور مختصر تشریح کی ہم تکمیل کر چکے ہیں‘ اوراب ہمیں اس جوڑے کی دوسری سورت ’’آل عمران‘‘ کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ دو چیزوں کے مابین جوڑا ہونے کی نسبت یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں گہری مشابہت بھی ہو لیکن کچھ فرق بھی ہو‘ اور یہ فرق ایسا ہو جو ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کا ہو‘ یعنی ایک دوسرے سے مل کر کسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہو۔ یہ نسبت زوجیت کی حقیقت ہے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران میں مشابہت کے نمایاں پہلو یہ ہیں کہ دونوں حروفِ مقطعات ’’الـمّٓ‘‘ سے شروع ہوتی ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے‘ اگرچہ سورۃ آل عمران میں اس کے ساتھ ہی تورات اور انجیل کا بیان بھی ہے۔ پھر یہ کہ دونوں کے اختتام پر بڑی عظیم آیات آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے اختتام پر وارد آیات ہم پڑھ چکے ہیں۔ اس کی آخری آیت کو قرآن حکیم کی عظیم ترین دعاؤں میں سے شمار کیا جاسکتا ہے: ﴿رَبَّـنَا لاَ تُؤَاخِذْنَـآ اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ......﴾ سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ایک نہایت جامع دعا آئی ہے جو تین چار آیتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھر جیسے میں نے آپ کو بتایا‘ سورۃ البقرۃ بھی سُورۃُ الاُمَّـتَین ہے‘ دو اُمتوں سے خطاب اور گفتگو کر رہی ہے‘ اور یہی معاملہ سورۃ آل عمران کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ گفتگو یہود کے بارے میں ہے اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کے بارے میں۔ تو گویا اس طرح اہل کتاب سے گفتگو کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اہل کتاب میں سے ’’یہود‘‘ اہم تر طبقہ تھا اور دینی اعتبار سے ان کی اہمیت زیادہ

تھی‘ خواہ تعداد میں وہ کم تھے اور کم ہیں۔ دوسرا طبقہ عیسائیوں کا ہے‘ جن کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں بہت کم آیا ہے‘ لیکن سورۃ آل عمران میں زیادہ خطاب اُن سے ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے دو تقریباً مساوی حصے ہیں‘ پہلا نصف اٹھارہ رکوعوں اور ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے اور نصف ثانی ۲۲ رکوعوں لیکن ۱۳۴ آیات پر مشتمل ہے‘ وہی کیفیت سورۃ آل عمران میں بتمام وکمال ملتی ہے۔ سورۃ آل عمران کے بھی دو حصے ہیں‘ جو بہت مساوی ہیں۔ اس کے کل ۲۰ رکوع ہیں‘ ۱۰ رکوع نصف اول میں ہیں اور ۱۰ رکوع ہی نصف ثانی میں۔ پہلے دس رکوعوں میں ۱۰۱ آیات اور دوسرے دس رکوعوں میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی صرف ایک آیت کا فرق ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ میں نصف اوّل کے تین حصے ہیں ویسے ہی یہاں بھی نصفِ اوّل کے تین حصے ہیں‘ لیکن یہاں تقسیم رکوعوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ آیات کے اعتبار سے ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی ۳۲ آیات اسی طرح تمہیدی کلام پر مشتمل ہیں جیسے سورۃ البقرۃ کے ابتدائی چار رکوع ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں روئے سخن ابتدا ہی سے یہود کی طرف ہو گیا ہے‘ جبکہ یہاں روئے سخن ابتدا ہی سے نصاریٰ کی طرف ہے۔

ابتدائی ۳۲ آیات کے بعد ۳۱ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ سے براہِ راست خطاب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کن حالات میں ہوئی‘ اُن کا مقام اور مرتبہ کیا تھا‘ ان کی اصل حیثیت کیا تھی‘ اور پھر یہ کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا‘ اس حصے میں یہ مضامین شامل ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوا ہے‘ لیکن ۳۱ آیات پر مشتمل یہ حصہ ۹ ہجری میں نازل ہوا۔ ’’نجران‘‘ عرب کے جنوب میں یمن کی جانب ایک بستی تھی اور وہاں عیسائی آباد تھے۔ وہاں کے عیسائیوں کے سردار اور پادری کوئی ستر آدمیوں کا ایک وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات سمجھنے سمجھانے کے لیے کہ آپؐ کس بات کی دعوت دے رہے ہیں‘ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہ لوگ کئی دن وہاں مقیم رہے۔ انہوں نے بات پوری طرح سمجھ بھی لی اور خاموش بھی ہو گئے‘ لیکن پھر بھی بات نہیں مانی تو آنحضور ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی‘ لیکن وہ اس چیلنج کو قبول کیے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی شدت کے ساتھ تردید نہیں کی اور اسے قبول بھی نہیں کیا۔ سورۂ آل عمران کی یہ ۳۱ آیات نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے طور پر نازل ہوئیں۔ سورۃ البقرۃ کے بارے میں ایک بات بیان ہونے سے رہ گئی تھی کہ اس کے رکوع ۳۸ کی آیات جن میں سود سے متعلق آخری احکام ہیں‘ یہ بھی تقریباً ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہیں۔

گویا مشابہت کا یہ پہلو بھی دونوں سورتوں میں موجود ہے۔ سورۃ البقرۃ کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ بدر سے قبل نازل ہوا‘ لیکن اس کی کچھ آیات ۹ ھ میں نازل ہوئیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ اُحد کے بعد ۳ ھ میں نازل ہوا‘ لیکن نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے ضمن میں آیات ۹ ھ میں نازل ہوئیں۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے نصف اول کے آخری حصے (رکوع ۱۵‘۱۶‘۱۷‘۱۸) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر تھا اس طرح سے یہ بات آپ کو یہاں بھی ملے گی۔ یہاں بھی اہل کتاب کو اسی انداز میں دعوت دی گئی ہے جیسے سورۃ البقرۃ کے ۱۶ ویں رکوع میں دی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا یہ تیسرا حصہ ۳۸ آیات پر مشتمل ہے‘ جو بہت اہم اور جامع آیات ہیں۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کے نصف ثانی کا آغاز ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع سے نصف ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۵۳﴾﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے گیارہویں رکوع سے اس کے نصف ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾﴾ سورۂ آل عمران کا نصف ثانی دس رکوعوں پر مشتمل ہے اور ان کی تقسیم عمودی ہے‘ اُفقی نہیں ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے‘ پھر اگرچہ روئے سخن اہل کتاب کی طرف بھی ہے۔ اس کے بعد مسلسل چھ رکوع غزوۂ اُحد کے حالات پر مشتمل ہیں۔ یعنی اس ضمن میں جو مسائل سامنے آئے ان پر تبصرہ‘ مسلمانوں سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر گرفت اور آئندہ کے لیے ہدایات۔ یہ تقریباً ۶۰ آیات ہیں جو چھ رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ گویا ''غزوۂ اُحد'' کے عنوان سے قرآن مجید کا ایک مستقل باب (chapter) ہے۔ لیکن قرآن میں اس طرح سے ابواب نہیں بنائے گئے ہیں‘ بلکہ اس کی سورتیں ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں ''تعارفِ قرآن'' کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے‘ قرآن خطباتِ الٰہیہ کا مجموعہ ہے۔ ایک خطبہ نازل ہو رہا ہے اور اس کے اندر مختلف مضامین بیان ہو رہے ہیں‘ لیکن ان میں ایک ربط اور ترتیب ہے۔ اب تک اس ربط اور ترتیب پر توجہ کم ہوئی ہے‘ لیکن اِس دور میں قرآن حکیم کے علم و معرفت کا یہ پہلو زیادہ نمایاں ہوا ہے کہ اس میں بڑا نظم ہے‘ اس کے اندر تنظیم ہے‘ اس میں آیات کا آپس میں ربط ہے‘ سورتوں کا سورتوں سے ربط ہے۔ یہ ایسے ہی بے ربط اور الل ٹپ کلام نہیں ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع بہت اہم ہیں۔ ان میں سے بھی آخری رکوع تو بہت ہی جامع ہے۔ اس میں وہ عظیم دعا بھی آئی ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا' اور فلسفۂ ایمان کے بارے میں اہم ترین بحث بھی اس مقام پر آئی ہے۔ اوراس سے پہلے کا رکوع یعنی انیسواں رکوع بھی بڑے جامع مضامین پر مشتمل ہے اوراس میں درحقیقت پوری سورۂ مبارکہ کے مضامین کو sum-up کیا گیا ہے۔

ان دونوں سورتوں کے مابین نسبت زوجیت کے حوالے سے آپ دیکھیں گے کہ بعض مقامات پر تو الفاظ بھی وہی آ رہے ہیں' وہی انداز ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں فرمایا گیا: ''(اے مسلمانو!) تم کہو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر نازل کیا گیا......''۔ بالکل یہی مضمون سورۂ آل عمران کی آیت ۸۴ میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی دونوں سورتوں میں ملتا ہے۔ یہود کے بارے میں ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ......﴾ والی آیت سورۂ آل عمران میں بھی ہے' ذرا ترتیب کا فرق ہے۔ [قرآن مجید میں ایسے مقامات ''متشابہ'' کہلاتے ہیں اور یہ حفاظ کے لیے مشکل ترین مقام ہوتے ہیں کہ تیزی اور روانی میں وہ اس سے مشابہ دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتے ہیں۔] ان دونوں سورتوں کے مضامین کے اندر آپ کو اتنی گہری مناسبت نظر آئے گی جس کو میں نے زوجیت سے تشبیہہ دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر حیوان کا جوڑا جو ہوتا ہے وہ تقریباً نوے فیصد تو ایک دوسرے سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی دس فیصد کا فرق بھی ہوتا ہے' اور وہ فرق بھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کے جمع ہونے سے کسی مقصد کی تکمیل ہو رہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' مرد اور عورت ایک دوسرے سے مشابہ ہیں' لیکن جنس کے اعتبار سے مرد اور عورت کے جسم میں فرق ہے۔ البتہ دونوں کے ملاپ سے مقصد تناسل یعنی پیدائش اولاد اور افزائش نسل حاصل ہو رہا ہے' جو یک طرفہ طور پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ نسبت زوجیت قرآن مجید کی سورتوں میں اکثر و بیشتر بتمام وکمال موجود ہے۔ البتہ اس ضمن میں گہرے تدبر کی ضرورت ہے۔ قرآن میں غور وفکر کیا جائے' سوچ بچار کیا جائے تو پھر اس نظمِ قرآن کے حوالے سے اضافی معانی' اضافی علم' اضافی معرفت اور اضافی حکمت کے خزانے کھلتے ہیں۔ میں سورۃ البقرۃ کی تمہید میں یہ بتا چکا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ''الزَّهْرَاوَين'' کا نام دیا ہے' یعنی دو نہایت تابناک اور روشن سورتیں۔ جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتوں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو ''الْمُعَوَّذَتَيْن'' کا نام دیا گیا ہے اسی

طرح قرآن حکیم کے آغاز میں وارد ان دونوں سورتوں کو ''الزَّھْرَاوَین'' کا نام دیا گیا ہے۔
ان تمہیدی کلمات پر اکتفا کرتے ہوئے اب ہم سورۂ آل عمران کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات ۱تا۹

﴿الٓـمّٓ ۝۱ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ
ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ط اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ
شَدِیْدٌ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی
الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝۵ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ
یَشَآءُ ط لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۶ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ
الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ط فَاَمَّا
الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِیْلِہٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ ؎ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا
بِہٖ لا کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ
قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ
الْوَھَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا
یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۹﴾

آیت ۱ ﴿الٓـمّٓ ۝۱﴾ ''ا۔ل۔م۔''

یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کے بارے میں اجمالی گفتگو ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز میں کر چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲﴾ ''اللہ وہ معبودِ برحق ہے جس کے سوا

کوئی الٰہ نہیں، وہ زندہ ہے، سب کا قائم رکھنے والا ہے۔''

یہ الفاظ سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی کے آغاز میں آ چکے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسم اعظم ہے، جس کے حوالے سے اگر اللہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ یہ تین سورتوں البقرۃ، آل عمران اور طٰـہٰ میں ہے۔(۱)

آنحضورﷺ نے تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ اسم اعظم کون سا ہے، البتہ کچھ اشارے کیے ہیں۔ جیسے رمضان المبارک کی ایک شب ''لیلۃ القدر'' جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ کون سی ہے، بلکہ فرمایا: ((فَالْتَمِسُوْھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِی الْوِتْرِ)) (متفق علیہ) ''اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو''۔ تاکہ زیادہ ذوق وشوق کا معاملہ ہو۔ اسی طرح اسم اعظم کے بارے میں آپؐ نے اشارات فرمائے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہ تین سورتوں سورۃ البقرۃ، سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ ان تین سورتوں میں جو الفاظ مشترک ہیں وہ ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں یہ الفاظ آیت الکرسی میں آئے ہیں، سورۃ آل عمران میں یہاں دوسری آیت میں اور سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۱۱ میں موجود ہیں۔

آیت ۳ ﴿نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اُس نے نازل فرمائی ہے آپ پر (اے نبیؐ) یہ کتاب حق کے ساتھ''

اُس اللہ نے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو الْحَیُّ ہے، الْقَیُّوْمُ ہے۔ اس میں اس کلام کی عظمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ جان لو یہ کلام کس کا ہے، کس نے اتارا ہے۔ اور یہاں نوٹ کیجیے، لفظ نَزَّلَ آیا ہے، اَنْزَلَ نہیں آیا۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ﴾ ''یہ تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے''

یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم سابقہ کتب سماویہ کی دو اعتبارات سے تصدیق کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی کتابیں تھیں جن میں تحریف ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ قرآن اور محمدؐ رسول اللہﷺ ان پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آئے ہیں جو اُن کتابوں میں موجود تھیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء، باب اسم اللّٰہ الاعظم۔

﴿وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ۝۳﴾ ''اور اُس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔''

آیت ۴ ﴿مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے''

﴿وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ط﴾ ''اور اللہ نے فرقان اتارا''۔

''فرقان'' کا مصداق قرآن مجید بھی ہے' تورات بھی ہے اور معجزات بھی ہیں۔ سورۃ الانفال میں ''یوم الفرقان'' غزوۂ بدر کے دن کو کہا گیا ہے۔ ہر وہ شے جو حق کو بالکل مبرہن کر دے اور حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کر دے وہ فرقان ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ط﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔''

یہاں اب تہدید اور دھمکی کا انداز ہے کہ اس قرآن کا معاملہ دنیا کی دوسری کتابوں کی طرح نہ سمجھو کہ مان لیا تب بھی کوئی حرج نہیں' نہ مانا تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر پڑھنے پر طبیعت راغب ہوئی تو بھی کوئی بات نہیں' طبیعت راغب نہیں ہے تو مت پڑھو' کوئی الزام نہیں۔ یہ کتاب ویسی نہیں ہے' بلکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے تو ان کے لیے بہت سخت سزا ہوگی۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴﴾ ''اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا ہے۔''

یہ لفظ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شک رؤف ہے' رحیم ہے' شفیق ہے' غفور ہے' ستار ہے' لیکن ساتھ ہی ''عزیز ذوانتقام'' بھی ہے' ''شدیدُ العقاب'' بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں شانیں قلب و ذہن میں رہنی چاہئیں۔

آیت ۵ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۝۵﴾ ''یقیناً اللہ پر کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے' نہ آسمان میں نہ زمین میں۔''

آیت ۶ ﴿هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ ط﴾ ''وہی ہے جو تمہاری صورت گری کرتا ہے (تمہاری ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے۔''

پہلی چیز اللہ کے علم سے متعلق تھی اور یہ اللہ کی قدرت سے متعلق ہے۔ وہی ہے جو تمہاری نقشہ کشی کر دیتا ہے' صورت بنا دیتا ہے تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے۔ کسی کے پاس کوئی اختیار (choice) نہیں ہے کہ وہ اپنا نقشہ خود بنائے۔

﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب اور حکیم ہے۔''

آیت ۷ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ ''وہی ہے جس نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی''

کسی کسی جگہ نَزَّلَ کے بجائے اَنْزَلَ کا لفظ بھی آ جاتا ہے' اور یہ آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے ہوتا ہے' کیونکہ قرآن مجید کا اپنا ایک ملکوتی غنا (Divine Music) ہے' اس میں اگر آہنگ کے حوالے سے ضرورت ہو تو یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ آ جاتے ہیں۔

﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ ''اس میں محکم آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں''

''محکم'' اور پختہ آیات وہ ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہو اور جنہیں اِدھر سے اُدھر کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس کتاب کی جڑ بنیاد اور اساس وہی ہیں۔

﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ﴾ ''اور کچھ دوسری آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں۔''

جن کا حقیقی اور صحیح صحیح مفہوم معین کرنا بہت مشکل بلکہ عام حالات میں ناممکن ہے۔ اس کی تفصیل تعارفِ قرآن کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے۔ آیاتُ الاحکام جتنی بھی ہیں وہ سب محکم ہیں' کہ یہ کرو یہ نہ کرو' یہ حلال ہے یہ حرام! جیسا کہ ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ''كُتِبَ عَلَيْكُمْ'' کے الفاظ آتے رہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کتاب درحقیقت ہے ہی مجموعۂ احکام۔ لیکن جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث ہے ان کا فہم آسان نہیں ہے۔ اللہ کی ذات وصفات کا ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ اللہ کا ہاتھ' اللہ کا چہرہ' اللہ کی کرسی' اللہ کا عرش' ان کا ہم کیا تصور کریں گے؟ اسی طرح فرشتے عالمِ غیب کی شے ہیں۔ عالمِ برزخ کی کیا کیفیت ہے؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ عالمِ آخرت' جنت اور دوزخ کی اصل حقیقتیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ ہماری ذہنی سطح کے قریب لا کر کچھ باتیں ہمیں بتا دی گئی ہیں کہ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ چنانچہ ان کا ایک اجمالی تصور قائم ہو جانا چاہیے' اس کے بغیر آدمی کا راستہ سیدھا نہیں رہے گا۔ لیکن ان کی تفاصیل میں نہیں جانا چاہیے۔ دوسرے درجے میں مَیں نے آپ کو بتایا تھا کہ کچھ طبیعیاتی مظاہر (Physical Phenomena) بھی ایک

وقت تک آیاتِ متشابہات میں سے رہے ہیں‘ لیکن جیسے جیسے سائنس کا علم بڑھتا چلا جا رہا ہے‘ رفتہ رفتہ ان کی حقیقت سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے اور اب بہت سی چیزیں محکم ہو کر ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ تاہم اب بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ سات آسمان سے مراد کیا ہے؟ ہمارا یقین ہے کہ اِن شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ انسان سمجھ لے گا کہ ہاں یہی بات صحیح تھی اور یہی تعبیر صحیح تھی جو قرآن نے بیان کی تھی۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ﴾ ’’تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ پیچھے لگتے ہیں ان آیات کے جو ان میں سے متشابہ ہیں‘‘

﴿ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ﴾ ’’فتنے کی تلاش میں‘‘

وہ چاہتے ہیں کہ کوئی خاص نئی بات نکالی جائے تاکہ اپنی ذہانت اور فطانت کا ڈنکا بجایا جا سکے یا کوئی فتنہ اٹھایا جائے‘ کوئی فساد پیدا کیا جائے۔ جن کا اپنا ذہن ٹیڑھا ہو چکا ہے وہ اس ٹیڑھے ذہن کے لیے قرآن سے کوئی دلیل چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے مفہوم کو اپنے من پسند مفہوم کی طرف موڑ سکیں۔ یہ اس سے فتنہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

﴿وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ﴾ ’’اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے۔‘‘

وہ تلاش کرتے ہیں کہ ان آیات کی اصل حقیقت‘ اصل منشا اور اصل مراد کیا ہے۔ یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کا علمی ذوق ہی ایسا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کی فطرت میں کجی ہو۔

﴿وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

﴿وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ﴾ ’’اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر‘ یہ کُل کا کُل ہمارے ربّ کی طرف سے ہے۔‘‘

جن لوگوں کو رسوخ فی العلم حاصل ہو گیا ہے‘ جن کی جڑیں علم میں گہری ہو چکی ہیں ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ جو بات صاف سمجھ میں آ گئی ہے اس پر عمل کریں گے اور جو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اس کے لیے انتظار کریں گے‘ لیکن یہ اجمالی یقین رکھیں گے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝۷﴾ ''اور یہ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو ہوش مند ہیں۔''

اور سب سے بڑی ہوش مندی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کی حدود (limitations) کو جان لے کہ میری عقل کہاں تک جا سکتی ہے۔ اگر انسان یہ نہیں جانتا تو پھر وہ اولوالالباب میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ عقل بڑی شے ہے لیکن اس کی اپنی حدود ہیں۔ ایک حد سے آگے عقل تجاوز نہیں کر سکتی: ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

یعنی منزل تک پہنچانے والی شے عقل نہیں' بلکہ قلب ہے۔ لیکن عقل بہرحال ایک روشنی دیتی ہے' حقیقت کی طرف اشارے کرتی ہے۔

آیت ۸ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ''(اور ان اولوالالباب کا یہ قول ہوتا ہے) اے ربّ ہمارے! ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے''

﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً﴾ ''اور ہمیں تو خاص اپنے خزانۂ فضل سے رحمت عطا فرما۔''

﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝۸﴾ ''یقیناً تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔''
ہمیں جو بھی ملے گا تیری ہی بارگاہ سے ملے گا۔ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔

آیت ۹ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''اے ربّ ہمارے! یقیناً تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک ایسے دن کے لیے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۝۹﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لہٰذا جو اس نے بتایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور قیامت کا دن آ کر رہے گا۔

آیات ۱۰ تا ۲۰

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ
شَیۡـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ
قَبۡلِهِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیۡدُ
الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ ؕ
وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَةٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیۡ
سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَیۡهِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ
بِنَصۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۱۳﴾ زُیِّنَ لِلنَّاسِ
حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَالۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الۡحَیٰوةِ
الدُّنۡیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اَؤُنَبِّئُکُمۡ بِخَیۡرٍ مِّنۡ ذٰلِکُمۡ ؕ
لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا
وَاَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِیۡنَ
یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیۡنَ
وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ
اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَمَا اخۡتَلَفَ
الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ وَمَنۡ
یَّکۡفُرۡ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنۡ حَآجُّوۡکَ فَقُلۡ
اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَالۡاُمِّیّٖنَ
ءَاَسۡلَمۡتُمۡ ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴿۲۰﴾﴾

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ط﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔''

اب یہ ذرا تحدی اور چیلنج کا انداز ہے۔ زمانۂ نزول کے اعتبار سے آپ نے نوٹ کر لیا کہ یہ سورۂ مبارکہ ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہو رہی ہے‘ لیکن یہ رکوع جو زیر مطالعہ ہے اس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی تھی تو مسلمانوں کا morale بہت بلند تھا۔ لیکن ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جب مسلمان بدر سے غازی بن کر‘ فتح یاب ہو کر واپس آئے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی قبیلے تھے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسلمانو! اتنا نہ اِتراؤ۔ یہ تو قریش کے کچھ ناتجربہ کار چھوکرے تھے جن سے تمہارا مقابلہ پیش آیا ہے‘ اگر کبھی ہم سے مقابلہ پیش آیا تو دن میں تارے نظر آ جائیں گے‘ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پس منظر میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں کہ صرف مشرکین مکہ پر موقوف نہیں‘ آخر کار تمام کفار اسی طرح سے زیر ہوں گے اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۲۱﴾﴾ (یوسف)

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ﴿۱۰﴾﴾ ''اور وہ تو سب کے سب آگ کا ایندھن بنیں گے۔''

آیت ۱۱ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط﴾ ''(ان کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہو گا) جیسا کہ آلِ فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو اُن سے پہلے گزرے۔''

تمہاری تو حیثیت ہی کیا ہے! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ آلِ فرعون کا معاملہ یاد کرو‘ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ فرعون بہت بڑا شہنشاہ اور بڑے لاؤ لشکر والا تھا‘ لیکن اس کا کیا حال ہوا؟ اور اس سے پہلے عاد و ثمود جیسی زبردست قومیں اسی جزیرہ نمائے عرب میں رہی ہیں۔

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ﴾ ''انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔''

﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ط﴾ ''تو اللہ نے پکڑا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں۔''

﴿وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۱۱﴾﴾ ''اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ط﴾ ''(اے

نبیﷺ!) کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو کفر کی روش اختیار کر رہے ہیں کہ تم سب کے سب (دنیا میں) مغلوب ہو کر رہو گے اور (پھر آخرت میں) جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جاؤ گے۔''

﴿وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ﴿۱۲﴾﴾ ''اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿قَدۡ كَانَ لَـكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا﴾ ''تمہارے لیے ایک نشانی آ چکی ہے ان دو گروہوں میں جنہوں نے آپس میں جنگ کی۔''

یعنی بدر کی جنگ میں ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف مشرکین مکہ تھے۔ اس میں تمہارے لیے نشانی موجود ہے۔

﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ﴾ ''ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا اور دوسرا کافر تھا''

﴿يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ الۡعَيۡنِ﴾ ''وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنی آنکھوں سے کہ ان سے دوگنے ہیں۔''

اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو تو کھلم کھلا نظر آ رہا تھا کہ ہمارے مقابل ہم سے دوگنی فوج ہے‘ جبکہ وہ تگنی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں کفار پر ایسا رعب طاری کر دیا تھا کہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ مسلمان ہم سے دُگنے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تائید فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے۔''

﴿اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ﴿۱۳﴾﴾ ''اس میں یقیناً ایک عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے۔''

یہ عبرت اور سبق آموزی صرف ان کے لیے ہوتی ہے جو آنکھیں رکھتے ہوں‘ جن کے اندر دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

اگلی آیت فطرتِ انسانی کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں میں خاص طور پر دنیا اور علائق دُنیوی کی محبت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ یہاں اس کا اصل سبب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً یہ شے فطرتِ انسانی میں رکھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قیامت

تک آباد رکھنا ہے اور اس کی رونقیں بحال رکھنی ہیں۔ چنانچہ مرد اور عورت کی ایک دوسرے کے لیے کشش ہوگی تو اولاد پیدا ہوگی اور دنیا کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اس طرح دنیا قائم رہے گی۔ دولت کی کوئی طلب ہوگی تو آدمی محنت و مشقت کرے گا اور دولت کمائے گا۔ اس لیے یہ چیزیں فطرتِ انسانی میں basic animal instincts کے طور پر رکھ دی گئی ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ان جبلی تقاضوں کو دبا کر رکھا جائے' اللہ کی محبت اور اللہ کی شریعت کو اس سے بالاتر رکھا جائے۔ یہ مطلوب نہیں ہے کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ تعذیبِ نفس اور نفس کشی (self annihilation) اسلام میں نہیں ہے۔ یہ تو رہبانیت ہے کہ اپنے نفس کو کچل دو' ختم کر دو۔ جبکہ اسلام تزکیۂ نفس اور self control کا درس دیتا ہے کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ نفسِ انسانی ایک منہ زور گھوڑا ہے۔ گھوڑا جتنا طاقت ور ہوتا ہے اتنا ہی سوار کے لیے تیز دوڑنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن منہ زور اور طاقتور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ ورنہ سوار اگر اس کے رحم و کرم پر آ گیا تو وہ جہاں چاہے گا اسے پٹخنی دے دے گا۔

آیت ۱۴ ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ﴾ ''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے''

مرغوباتِ دنیا میں سے پہلی محبت عورتوں کی گنوائی گئی ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک بھی انسانی محرکات میں سب سے قوی اور زبردست محرک (potent motive) جنسی جذبہ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے اُسی کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے لیے پیٹ کا مسئلہ فوقیت اختیار کر جاتا ہے اور معاشی ضرورت جنسی جذبے سے بھی شدید تر ہو جاتی ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے مابین کشش انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِىْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (۱)

''میں نے اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب ما یتقی من شئوم المرأة۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب اکثر اهل الجنة الفقراء واکثر اهل النار النساء۔

ان کی محبت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ بلعام بن باعورہ یہود میں سے ایک بہت بڑا عالم اور فاضل شخص تھا، مگر ایک عورت کے چکر میں آ کر وہ شیطان کا پیرو بن گیا۔ اس کا قصہ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال عورتوں کی محبت انسانی فطرت کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ پھر انسان کو بیٹے بہت پسند ہیں کہ اس کی نسل اور اس کا نام چلتا رہے، وہ بڑھاپے کا سہارا بنیں۔

﴿وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ ''اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے''

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ ''اور نشان زدہ گھوڑے''

عمدہ نسل کے گھوڑے جنہیں چن کر ان پر نشان لگائے جاتے ہیں۔

﴿وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ﴾ ''اور مال مویشی اور کھیتی۔''

پنجاب اور سرائیکی علاقہ میں چوپاؤں کو مال کہا جاتا ہے۔ یہ جانور ان کے مالکوں کے لیے مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''یہ سب دُنیوی زندگی کا سروسامان ہے۔''

بس نقطۂ اعتدال یہ ہے کہ جان لو یہ ساری چیزیں اس دنیا کی چند روزہ زندگی کا ساز وسامان ہیں۔ اس زندگی کے لیے ضروریات کی حد تک ان سے فائدہ اٹھانا کوئی بری بات نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾﴾ ''لیکن اللہ کے پاس ہے اچھا لوٹنا۔''

وہ جو اللہ کے پاس ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ایمان بالآخرت موجود ہے تو پھر انسان ان تمام مرغوبات کو، اپنے تمام جذبات اور میلانات کو ایک حد کے اندر رکھے گا، اس سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک شے کی محبت بھی اتنی زوردار ہوگئی کہ آپ کے دل کے اوپر اس کا قبضہ ہو گیا تو بس آپ اس کے غلام ہو گئے، اب وہی آپ کا معبود ہے، چاہے وہ دولت ہو یا کوئی اور شے ہو۔

آیت ۱۵ ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ﴾ ''ان سے کہیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں ان تمام چیزوں سے بہتر شے کون سی ہے؟''

﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''جو لوگ تقویٰ

اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

تقویٰ یہی ہے کہ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے جو تمہیں ادا کرنا ہے' لیکن ناجائز راستے سے نہیں۔ تمہارے پیٹ کا بھی حق ہے' وہ بھی ادا کرو' لیکن اکل حلال سے۔ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد کے بھی تم پر حقوق ہیں' جو تمہیں جائز طریقوں سے ادا کرنے ہیں۔ تمہارے جو ملاقاتی آنے والے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا' وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا' وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا' وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا))(۱)

ان سب کے حقوق ادا کرو' لیکن اللہ سے اوپر کسی حق کو فائق نہ کر دینا۔ بس یہ ہے اصل بات ع ''گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی!'' اگر یہ حفظ مراتب نہیں ہوگا تو گویا آپ کا دین بھی گیا اور دنیا بھی گئی۔

﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے''

﴿وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''اور ان کے لیے بڑی ہی پاک عورتیں ہوں گی''

﴿وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہوگی۔''

﴿وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۱۶ ﴿اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا﴾ جو یہ کہتے رہتے ہیں پروردگار! ہم ایمان لے آئے''

﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ ''پس ہمارے گناہوں کو بخش دے''

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

آگے ان کی مدح میں الفاظ استعمال ہو رہے ہیں کہ جو یہ دعائیں کرتے ہیں ان کے یہ اوصاف ہیں۔ اس میں گویا تلقین ہے کہ اگر اللہ سے یہ دعا کرنا چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب حق الجسم فی الصوم۔ وصحیح مسلم' کتاب الصیام' باب النهی عن صوم الدهر......

بخش دے اور تمہیں جہنم کے عذاب سے بچالے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔

آیت ۱۷ ﴿الصّٰبِرِیۡنَ وَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾ ''صبر کرنے والے اور راست باز''

راست بازی میں راست گوئی بھی شامل ہے اور راست کرداری بھی۔ یعنی آپ کا عمل بھی صحیح اور درست ہو اور قول بھی صحیح اور درست ہو۔

﴿وَ الۡقٰنِتِیۡنَ وَ الۡمُنۡفِقِیۡنَ﴾ ''اور فرماں بردار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے''

﴿وَ الۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور اوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔''

وہ جو سحر کا وقت ہے (small hours of the morning) اُس وقت اللہ کے حضور استغفار کرنے والے۔ ایک تو پنج وقتہ نمازیں ہیں' اور ایک خاص وقت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: ((ہَلۡ مِنۡ سَائِلٍ یُعۡطٰی؟ ہَلۡ مِنۡ دَاعٍ یُسۡتَجَابُ لَہٗ؟ ہَلۡ مِنۡ مُسۡتَغۡفِرٍ یُغۡفَرُ لَہٗ؟))[1] ''ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اسے معاف کر دیا جائے؟'' گویا:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ روِ منزل ہی نہیں!

آیت ۱۸ ﴿شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ﴾ ''اللہ خود گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''

سب سے بڑی گواہی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے' جو کتب سماویہ سے بھی ظاہر ہے اور مظاہر فطرت سے بھی۔

﴿وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ﴾ ''اور سارے فرشتے (گواہ ہیں)''

﴿وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ﴾ ''اور اہل علم بھی (اس پر گواہ ہیں)''

اولوالعلم وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کہیں اولوالالباب قرار دیتا ہے اور کہیں ان کے لیے

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل...... اس مضمون کی متعدد احادیث مختلف الفاظ میں صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ (مرتب)

''الَّذِیۡنَ یَعۡقِلُوۡنَ'' جیسے الفاظ آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقی کے حوالے سے اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ وہی معبودِ برحق ہے۔ سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت ہم نے پڑھی تھی جسے میں ''آیت الآیات'' قرار دیتا ہوں۔ اس میں بہت سے مظاہر فطرت بیان کر کے فرمایا گیا: ﴿لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴿۱۶۴﴾﴾ ''(ان میں) یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ تو یہ جو ''قَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ'' ہیں' جو اولوا الالباب ہیں' اولوالعلم ہیں' وہ بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

﴿قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ﴾ ''وہ عدل وقسط کا قائم کرنے والا ہے۔''

یہ اس آیت مبارکہ کے اہم ترین الفاظ ہیں۔ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عدل قائم کرتا ہے اور عدل کرے گا' البتہ اہل سنت کے نزدیک یہ کہنا سوءِ ادب ہے کہ اللہ پر عدل کرنا واجب ہے۔ اللہ پر کسی شے کا وجوب نہیں ہے۔ اللہ کو عدل پسند ہے اور وہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجرات) اور اللہ خود بھی عدل فرمائے گا۔

﴿لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿ؕ۱۸﴾﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زبردست ہے' کمالِ حکمت والا ہے''۔

آیت ۱۹ ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ قف﴾ ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔''

اللہ کا پسندیدہ اور اللہ کے ہاں منظور شدہ دین ایک ہی ہے اور وہ ''اسلام'' ہے۔ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کی نسبت زوجیت کے حوالے سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایمان پر زیادہ زور ہے اور سورۃ آل عمران میں اسلام پر۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ایمانیات کا تذکرہ ہے' درمیان میں آیت البر میں بھی ایمانیات کا بیان ہے اور آخری آیات میں بھی ایمانیات کا ذکر ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ﴾ جبکہ اس سورۂ مبارکہ میں اسلام کو emphasize کیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ قف﴾ آگے جا کر آیت آئے گی: ﴿وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ﴾ ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ اس کی جانب سے اللہ کے ہاں منظور نہیں کیا جائے گا''۔

﴿وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ‌ؕ﴾ ''اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا مگر باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔''

یہ گویا سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ (آیت الاختلاف) کا خلاصہ ہے۔ دین اسلام تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا' پگڈنڈیاں نکالیں اور غلط راستوں پر مڑ گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' ان کا اصلی روگ وہی ضدم ضدا کی روش اور غالب آنے کی اُمنگ (The urge to dominate) تھی۔

﴿وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ۝۱۹﴾ ''اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے دیر نہیں لگے گی' وہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لے لے گا۔

آیت ۲۰ ﴿فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ﴾ پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپؐ سے حجت بازی کریں' دلیل بازی اور مناظرے کی روش اختیار کریں۔

﴿فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ‌ؕ﴾ ''تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرا اتباع کر رہے ہیں۔''

آپؐ ان سے دوٹوک انداز میں یہ آخری بات کہہ دیں کہ ہم نے تو اللہ کے آگے سر اطاعت خم کر دیا ہے۔ ہم نے ایک راستہ اختیار کر لیا ہے۔ تم جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ' جس پگڈنڈی پر مڑنا چاہتے ہو مڑ جاؤ' جس کھائی میں گرنا چاہتے ہو گر جاؤ۔ ﴿لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ۝۶﴾ (الکافرون)۔

﴿وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے اُن سے بھی کہ جنہیں کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ) اور اُمّیین سے بھی کہ کیا تم بھی اسی طرح اسلام لاتے ہو؟''

کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہو یا نہیں؟ تابع ہوتے ہو یا نہیں؟ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہو یا نہیں؟

﴿فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا‌ۚ﴾ ''پس اگر وہ بھی اسی طرح اسلام لے آئیں تو

ہدایت پر ہو جائیں گے۔''

﴿وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ﴾ ''اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے نبیﷺ!) آپؐ پر ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے۔''

آپؐ نے ہمارا پیغام ان تک پہنچا دیا' ہماری دعوت اُن تک پہنچا دی' ہماری آیات انہیں پڑھ کر سنا دیں' اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا اپنا اختیار (choice) ہے۔ آپؐ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَا تُسۡئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۱۹﴾﴾۔

﴿وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰﴾﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کے حال کو دیکھ رہا ہے۔''

وہ اُن سے حساب کتاب کر لے گا اور ان سے نمٹ لے گا۔ آپؐ کے ذمہ جو فرض ہے آپ اُس کو ادا کرتے رہیے۔

آیات ۲۱ تا ۳۲

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ۙ وَّیَـقۡتُلُوۡنَ الَّذِیۡنَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَـبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمۡ فِیۡ دِیۡنِهِمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ ۟ وَوُفِّیَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۶﴾ تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَتُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَتُخۡرِجُ

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ
الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا
عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

آیت ۲۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور انبیاءؑ کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں‘‘

﴿وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ﴾ ’’اور ان لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں (یا قتل کرتے ہیں) جو انسانوں میں سے عدل و قسط کا حکم دیتے ہیں‘‘

اس لیے کہ انصاف کی بات تو بالعموم کسی کو پسند نہیں ہوتی۔ ’’اَلْحَقُّ مُرٌّ‘‘ (حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔ بہت سے مواقع پر کسی حق گو انسان کو حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہاں پھر عدل و قسط کا معاملہ آیا ہے۔ اللہ خود ’’قَآئِمًا بِالْقِسْطِ‘‘ ہے اور اللہ کے محبوب بندے وہی ہیں جو عدل کا حکم دیں‘ انصاف کا ڈنکا بجانے کی کوشش کریں۔ تو فرمایا کہ جو ایسے لوگوں کو قتل کریں......

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’تو (اے نبیﷺ) انہیں بشارت سنا دیجیے دردناک عذاب کی۔‘‘

لفظ ’’بشارت‘‘ یہاں طنز کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ’’یہ وہ لوگ

ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو گئے۔‘‘

قریش کو یہ زعم تھا کہ ہم خدامِ کعبہ ہیں اور ہمارے پاس جو یہ لوگ حج کرنے آتے ہیں ہم ان کو کھانا کھلاتے ہیں‘ پانی پلاتے ہیں‘ ہماری ان خدمات کے عوض ہمیں بخش دیا جائے گا۔ فرمایا وہ سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اگر تو صحیح صحیح پورے دین کو اختیار کرو گے تو ٹھیک ہے‘ ورنہ چاہے خیرات اور بھلائی کے بڑے سے بڑے کام کیے ہوں‘ لوگوں کی فلاح و بہبود کے ادارے قائم کر دیے ہوں‘ اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝۲۲﴾ ’’اور ان کا پھر کوئی مددگار نہیں ہوگا۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ ’’کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی حالت پر جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟‘‘

اُوْتُوْا مجہول کا صیغہ ہے اور یاد رہے کہ جہاں مذمت کا پہلو ہوتا ہے وہاں مجہول کا صیغہ آتا ہے۔

﴿يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ ’’اب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے‘‘

﴿ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۲۳﴾ ’’پھر ان میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیر لیتا ہے اعراض کرتے ہوئے۔‘‘

یعنی کتاب کو مانتے بھی ہیں لیکن اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ’’یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔‘‘

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے۔ ان کی ڈھٹائی کا اصل سبب ان کے من گھڑت خیالات ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کتاب پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ اس میں تو لکھا ہے کہ سود حرام ہے اور تم سود خوری پر کمر بستہ ہو‘ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام کیوں نہیں جانتے؟ تو اس کے جواب میں وہ اپنا یہ من گھڑت عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ ’’ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن‘‘۔ جب یہ عقیدہ ہے تو پھر انسان کاہے کو دنیا کا نقصان برداشت کرے ع بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ پھر تو

حلال سے‘ حرام سے‘ جائز سے‘ ناجائز سے‘ جیسے بھی عیش دنیا حاصل کیا جا سکتا ہو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ عقیدہ درحقیقت ایمان بالآخرۃ کی نفی کر دیتا ہے۔

﴿وَغَرَّھُمۡ فِیۡ دِیۡنِھِمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴿۲۴﴾﴾ ’’اور انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے ان کے دین کے بارے میں ان چیزوں نے جو یہ گھڑتے رہے ہیں۔‘‘

اس طرح کے جو عقائد ونظریات انہوں نے گھڑ لیے ہیں ان کے باعث یہ دین کے معاملے میں گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے تو ایسی کوئی ضمانت نہیں دی تھی۔ تورات لاؤ‘ انجیل لاؤ‘ کہیں ایسی ضمانت نہیں ہے۔ یہ تو تمہارا من گھڑت عقیدہ ہے اور اسی کی وجہ سے اب تم دین کے اندر بددین یا بے دین ہو گئے ہو۔

آیت ۲۵ ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰھُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ﴾ ’’تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں!‘‘

اِس وقت تو یہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں‘ زبان درازیاں کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم انہیں ایک ایسے دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں ذرا شک نہیں‘ تو اس دن ان کا کیا حال ہوگا!

﴿وَوُفِّیَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ﴾ ’’اور ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اس نے کمائی کی ہوگی‘‘

﴿وَھُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ﴿۲۵﴾﴾ ’’اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔‘‘

اس کے بعد اب پھر ایک بہت عظیم دعا آ رہی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ بھی ایک عظیم دعا ہے‘ جس کی باقاعدہ تلقین کر کے کہا گیا ہے کہ یوں کہا کرو۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ﴾ ’’کہو اے اللہ! تمام بادشاہت کے مالک!‘‘ کل ملک تیرے اختیار میں ہے۔

﴿تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ﴾ ’’تو حکومت اور اختیار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے‘‘

﴿وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ﴾ ’’اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے‘‘

﴿وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ﴾ ’’اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے‘‘

﴿وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ﴾ ’’اور تو ذلیل کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔‘‘

﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ ''تیرے ہی ہاتھ میں سب خیر ہے۔''

اس کے دونوں معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کل خیر وخوبی تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے یہ کہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بسا اوقات انسان جسے اپنے لیے شر سمجھ بیٹھتا ہے وہ بھی اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۶) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ﴾.

﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾﴾ ''یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ ''تُو رات کو لے آتا ہے دن میں پرو کر''

﴿وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ''اور پھر دن کو نکال لاتا ہے رات میں سے پرو کر۔''

﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ''اور تُو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے''

﴿وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ''اور تُو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔''

اس کی بہترین مثال مرغی اور انڈا ہے۔ انڈے میں جان نہیں ہے لیکن اسی میں سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے اور مرغی سے انڈا برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور تو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حد وحساب۔''

آیت ۲۸ ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ ''اہل ایمان نہ بنائیں کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر۔''

''اولیاء'' ایسے قلبی دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے رازدار بھی بن جائیں اور ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی ہوں۔ یہ تعلق کفار کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے ساتھ اچھا رویہ' ظاہری مدارات اور تہذیب وشائستگی سے بات چیت تو اور بات ہے' لیکن دلی محبت' قلبی رشتہ' جذباتی تعلق' باہمی نصرت وتعاون اور ایک دوسرے کے پشت پناہ ہونے کا رشتہ قائم کر لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کفار کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا''

اگر اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تمہاری دوستی ہے تو ظاہر ہے پھر تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی رشتہ وتعلق نہیں رہا ہے۔

﴿اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً﴾ ''سوائے یہ کہ تم ان سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو۔''

بعض اوقات ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کھلے مقابلے کا ابھی موقع نہیں ہوتا تو آپ دشمن کو طرح دیتے ہیں اور اس طرح گویا وقت حاصل کرتے ہیں (you are buying time) تو اس دوران اگر ظاہری خاطر مدارات کا معاملہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' لیکن مستقل طور پر کفار سے قلبی محبت قائم کر لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن کے انہی الفاظ کو ہمارے ہاں اہل تشیع نے تقیہ کی بنیاد بنا لیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ جھوٹ بولنا اور اپنے عقائد کو چھپا لینا بھی روا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دلیل یہاں سے لاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بالکل دوسری شکل ہے اور یہ صرف ظاہری مدارات کی حد تک ہے۔ جیسے کہ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ اگرچہ تمہارے خلاف یہود کے دلوں میں حسد کی آگ بھری ہوئی ہے لیکن ﴿فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا﴾ (آیت ۱۰۹) ابھی ذرا درگزر کرتے رہو اور چشم پوشی سے کام لو۔ ابھی فوری طور پر ان کے ساتھ مقابلہ شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس حد تک مصلحت بینی تو صحیح ہے' لیکن یہ نہیں کہ جھوٹ بولا جائے' معاذ اللہ!

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ﴾ ''اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔''

اللہ سے ڈرو۔ یعنی کسی اور سے خواہ مخواہ ڈر کر صرف خاطر مدارات کر لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی وقت مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسا کر لو' لیکن تمہارے دل میں خوف صرف اللہ کا رہنا چاہیے۔

﴿وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اللہ ہی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡهُ يَعۡلَمۡهُ اللّٰهُ﴾ ''کہہ دیجیے (اے نبیﷺ!) کہ اگر تم چھپاؤ جو کچھ کہ تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کر دو اللہ اسے جانتا ہے۔''

تم اپنے سینوں میں مخفی باتیں ایک دوسرے سے تو چھپا سکتے ہو' اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ يُحَاسِبۡكُمۡ بِهِ

اللّٰہُ ط﴾ ''اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو خواہ چھپاؤ اللہ تم سے اس کا محاسبہ کر لے گا''۔

﴿وَیَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ط﴾ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔''

﴿وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝۲۹﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۛ﴾ ''(اُس دن کا تصور کرو) جس دن ہر جان اپنے سامنے موجود پائے گی ہر نیکی جو اُس نے کی ہوگی''

﴿وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ﴾ ''اور ہر برائی جو اُس نے کمائی ہوگی۔''

اس کا نقشہ سورۃ الزلزال میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے: ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ۝۷ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّـرَہٗ ۝۸﴾ ''تو جس نے ایک ذرے کے ہم وزن نیکی کی ہوگی وہ اس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرے کے ہم وزن برائی کی ہوگی وہ اُس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا''۔

﴿تَوَدُّ لَـوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ط﴾ ''اور (ہر جان) یہ چاہے گی کہ کاش اس کے اور اُس (کے نامۂ اعمال) کے درمیان ایک زمانۂ دراز حائل ہوتا۔''

اُس وقت ہر انسان یہ چاہے گا کہ کاش میرے اور میرے اعمال نامے کے درمیان بڑا فاصلہ آ جائے اور میری نگاہ بھی اس پر نہ پڑے۔

﴿وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ط﴾ ''اور اللہ ڈرا رہا ہے تمہیں اپنے آپ سے۔''

یعنی تقویٰ اختیار کرنا ہے تو اس کا کرو' ڈرنا ہے تو اس سے ڈرو' خوف کھانا ہے تو اس سے کھاؤ!

﴿ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝۳۰﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔''

یہ تنبیہات (warnings) وہ تمہیں بار بار اسی لیے دے رہا ہے تا کہ تمہاری عاقبت خراب نہ ہو۔

آیت ۳۱ ﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ﴾ ''(اے نبیﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو''

یہ آیت بہت معروف ہے اور مسلمانوں کو بہت پسند بھی ہے۔ ہمارے ہاں مواعظ و خطابات میں یہ بہت کثرت سے بیان ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اے نبیﷺ اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو‘ میرا اتباع کرو! اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

﴿یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ﴾ ”اللہ تم سے محبت کرے گا“

﴿وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ﴾ ”اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾﴾ ”اور اللہ بخشنے والا‘ رحم فرمانے والا ہے۔“

آیت ۳۲ ﴿قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ ۚ﴾ ”کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی۔“

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ”پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔“

یہ دو آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں رسول اللہﷺ کے لیے دو الفاظ آئے ہیں ”اطاعت“ اور ”اتباع“۔ اطاعت اگر نہیں ہے تو یہ کفر ہے۔ چنانچہ اطاعت تو لازم ہے اور وہ بھی دلی آمادگی سے‘ مارے باندھے کی اطاعت نہیں۔ لیکن اطاعت کس چیز میں ہوتی ہے؟ جو حکم دیا گیا ہے کہ یہ کرو وہ آپ کو کرنا ہے۔ اتباع اس سے بلند تر شے ہے۔ انسان خود تلاش کرے کہ آنحضورﷺ کے اعمال کیا تھے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے‘ خواہ آپﷺ نے ان کا حکم نہ دیا ہو۔ گویا اتباع کا دائرہ اطاعت سے وسیع تر ہے۔ انسان کو جس کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اُس سے ہر طرح سے ایک مناسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لباس جیسا لباس پہننا پسند کرتا ہے‘ جو چیزیں اس کو کھانے میں پسند ہیں وہی چیزیں خود بھی کھانا پسند کرتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حکم نہیں دیا گیا لیکن ان کا التزام پسندیدہ ہے۔ ایک صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپﷺ کے کرتے کے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے اور آپؐ کا گریبان کھلا تھا۔ اس کے بعد ان صحابیؓ نے پھر ساری عمر اپنے کرتے کے بٹن نہیں لگائے۔ حالانکہ حضورﷺ نے تو انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ صحابیؓ کہیں دور دراز سے آئے ہوں گے اور ایک ہی مرتبہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے‘ لیکن انہوں نے اُس وقت محمدٌ رسول اللہﷺ کو جس شان میں دیکھا اس کو پھر اپنے اوپر لازم کر لیا۔

اتباع کے ضمن میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اگرچہ دین کے کچھ تقاضے ایسے ہیں کہ انہیں جس درجے میں محمدٌ رسول اللہﷺ نے پورا فرمایا اس درجے میں پورا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے' پھر بھی اس کی کوشش کرتے رہنا اتباع کا تقاضا ہے۔ مثلاً رسول اللہﷺ نے کوئی مکان نہیں بنایا' کوئی جائیداد نہیں بنائی' جیسے ہی وحی کا آغاز ہوا' اس کے بعد آپؐ نے کوئی دُنیوی کام نہیں کیا' کوئی تجارت نہیں کی۔ آپﷺ نے اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اور اپنی توانائی کی ایک ایک رمق اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی اقامت میں لگا دی۔ سب کے لیے تو اس مقام تک پہنچنا یقیناً مشکل ہے' لیکن بہرحال بندۂ مؤمن کا آئیڈیل یہ رہے اور وہ اسی کی طرف چلنے کی کوشش کرتا رہے' اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ وسائل فارغ کرے اور اس کام کے اندر لگائے تو ''اتباع'' کا کم سے کم تقاضا پورا ہوگا۔ البتہ جہاں تک ''اطاعت'' کا تعلق ہے اس میں کوتاہی قابل قبول نہیں۔ جہاں حکم دے دیا گیا کہ یہ حلال ہے' یہ حرام ہے' یہ فرض' ہے یہ واجب ہے' وہاں حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔ اگر اطاعت ہی سے انکار ہے تو اسے قرآن کفر قرار دے رہا ہے۔

اتباع کا معاملہ یہ ہے کہ نبیﷺ کا اتباع کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اے نبیﷺ! اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو' میری پیروی کرو۔ دیکھو' میرے شب و روز کیا ہیں؟ میری توانائیاں کن کاموں پر لگ رہی ہیں؟ دنیا کے اندر میری دلچسپیاں کیا ہیں؟ ان معاملات میں تم میری پیروی کرو۔ اس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کے ''محبّ'' سے بڑھ کر ''محبوب'' بن جاؤ گے اور اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ وہ یقیناً غفور اور رحیم ہے۔ باقی اطاعت تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی بہرصورت کرنی ہے۔ اگر یہ اس اطاعت سے بھی منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔ کیونکہ اطاعت رسولﷺ کا انکار تو کفر ہوگیا۔ یہاں سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا ثلث اوّل مکمل ہوگیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی ۳۲ آیات تمہیدی اور عمومی نوعیت کی ہیں۔ ان میں دین کے بڑے گہرے اصول بیان ہوئے ہیں' نہایت جامع دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور محکمات اور متشابہات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ ○○

دجالیت کے آفاقی اور زمینی مظاہر

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۱۴ رنومبر ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

بمقام جامع القرآن' قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿ظَھَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَھُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّھُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ (الروم)

﴿اِذۡ جَآءُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوۡنَا ﴿۱۰﴾﴾ (الاحزاب)

گزشتہ نشست سے ربط قائم کرتے ہوئے تمہیداً عرض کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق بھی ہے اور مالک بھی' حاکم مطلق بھی ہے اور آمر مطلق بھی۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ (الانعام:۵۷' یوسف:۴۰) ''حکم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے''۔ اور: ﴿وَلَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾﴾ (الکھف) ''اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ اور: ﴿اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ﴾ (الاعراف:۵۴) ''خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے''۔ اگرچہ کسی انسان کے لیے آمر کا لفظ اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا' انسانوں کے لیے آمریت بری شے ہے' لیکن میں جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے ''آمر'' کا لفظ استعمال کر رہا ہوں' اس لیے

کہ اللہ واقعتاً آمر مطلق ہے۔ جیسے تکبر انسانوں کے لیے اچھی بات نہیں' لیکن اللہ کی ذات کو کبریائی کا جامہ زیب دیتا ہے۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
((اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ))(۱) ''تکبر میری چادر ہے''۔

عالمِ خلق اور عالمِ امر کے بارے میں آپ جان چکے ہیں کہ عالمِ امر میں اللہ تعالیٰ کے احکام آناً فاناً ظہور پذیر ہوتے ہیں' ان میں ''وقت'' کا عنصر قطعاً نہیں ہوتا' جبکہ عالمِ خلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اس میں کسی کام کے تکمیل پذیر ہونے میں وقت ضرور لگتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق چھ دنوں میں کی ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ دن کوئی آفاقی دن تھے۔ انہیں چاہے ''six ages'' کہا جائے' six millenniums کہا جائے یا کچھ اور۔ پھر یہ کہ نبوت و رسالت کا آغاز پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا' لیکن اسے بھی تدریجاً تکمیل کو پہنچنے میں تقریباً سات آٹھ ہزار برس لگے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جیسے جیسے انسان کی ذہنی اور فکری صلاحیتیں نشوونما پاتی گئیں ویسے ویسے ہدایت بڑھتی چلی گئی۔ جیسے جیسے انسانی تمدن میں ارتقاء ہوا ایسے ہی اللہ کا دین بھی تکمیل کے مراحل سے گزرا' یہاں تک کہ حضور ﷺ پر آ کر نعمت ہدایت کا اتمام بھی ہو گیا اور دینِ حق کی تکمیل بھی ہو گئی۔ سورۃ المدثر میں فرمایا گیا: ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾﴾ ''ہرگز نہیں' قسم ہے چاند کی''۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے دنیا میں جو نورِ ہدایت تھا وہ چاند کے مشابہ تھا اور چاند کی روشنی سورج کی روشنی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتی۔ گویا وہ ایک طویل رات تھی جس میں چاند رفتہ رفتہ بڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور نبوت بھی بڑھ رہی تھی۔ ﴿وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾﴾ ''اور (قسم ہے) رات کی جبکہ وہ پلٹتی ہے''۔ یعنی پھر وہ وقت آیا کہ رات رفتہ رفتہ پیٹھ موڑ کر چلتی بنی۔ ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾﴾ ''اور صبح (کی قسم) جبکہ وہ روشن ہوتی ہے''۔ اب گویا صبح طلوع ہو گئی اور ہدایت کا سورج محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ یعنی یہ سب کچھ

(۱) سنن ابن ماجہ' کتاب الزھد' باب البراءۃ من الکبر والتواضع۔

تدریجاً ہوا۔ ﴿اِنَّهَا لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ﴾ ''یہ یقیناً بہت بڑی باتوں میں ہے''۔ ﴿نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ﴾ ''یہ خبردار کرنا (یعنی بعثت محمدیؐ) تمام انسانوں کے لیے ہے''۔ یہ صرف عرب کے لیے نہیں۔ ﴿لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّتَقَدَّمَ اَوۡ یَتَاَخَّرَ﴾ ''تم میں سے ہر اُس شخص کے لیے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہ جانا چاہے''۔

محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے دین کو کامل اور مکمل شکل میں قائم کر دیا اور وہ تیس برس تک مکمل شکل میں قائم اور نافذ رہا۔ پھر اس کے اندر تدریجاً زوال آنا شروع ہوا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ))(۱)

''اسلام کی جب ابتدا ہوئی تھی تو یہ اجنبی تھا' اور پھر ویسے ہی اجنبی ہو جائے گا جیسے ابتدا میں تھا۔ پس ایسے اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے۔''

اسلام کا آغاز اس حال میں ہوا تھا کہ وہ اجنبی سی شے تھی' لوگ اسے پہچانتے نہیں تھے کہ محمد (ﷺ) یہ کیا نئی بات کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ آپؐ کی بعثت مکہ مکرمہ میں ہوئی اور وہاں تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا کوئی حوالہ بھی موجود نہیں رہا تھا۔ شرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے تھے اور بالخصوص آخرت کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی شریعت تھی' نہ کوئی قانون تھا اور نہ کوئی کتاب۔ تو انہیں اسلام کی دعوت بڑی عجیب سی بات لگی کہ یہ محمدؐ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر یہ ہوا کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ تو اب چونکہ اسلام غالب ہو گیا اور اسلام کا نظام قائم ہو گیا تو سبھی اس کے جاننے اور پہچاننے والے ہو گئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرما دی کہ عنقریب اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا۔ یہ اجنبی ہونے کا عمل خلافت راشدہ کے بعد سے شروع ہو گیا اور مسلسل جاری رہا۔ ساتھ ہی ساتھ تجدید کا عمل بھی جاری رہا۔ ہر صدی کے اندر مجدد دین اُمت آئے اور رفتہ رفتہ تجدید کا یہ عمل بھی چودہ سو برس میں پورا ہو رہا ہے اور اب دنیا تجدید کامل کے دروازے پر کھڑی ہے۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں جو تکمیل دین ہو گئی تھی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا و سیعود غریبا......

اسی طرح کی تکمیل دوبارہ ہونی ہے‘ اور اب وہ عالمگیر ہوگی۔ تو ان سارے معاملات کے اندر ایک تدریج ہے۔

عالمِ خلق میں تدریج قانونِ الٰہی ہے۔ اس میں کوئی کام اچانک نہیں ہوتا‘ بلکہ اس میں وقت لگتا ہے‘ اور وقت کے حوالے سے ہمارے پیمانے بہت چھوٹے ہیں‘ جبکہ اللہ کا پیمانہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کا تو ایک دن ہمارے حساب کتاب سے کم از کم ایک ہزار سال کے برابر ہے‘ ورنہ اللہ تعالیٰ کا وہ دن بھی ہے جسے سورۃ المعارج میں پچاس ہزار سال کا کہا گیا ہے۔ بالفاظِ قرآنی:

﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ④﴾ (المعارج)

”ملائکہ اور روح اُس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔“

اور یہ جو تخلیق کائنات کا عمل میں نے بتایا ہے اس کے لیے لاکھوں کروڑوں سال کا ایک دن ہو سکتا ہے۔ بہرحال اب یہ جو تجدید کامل کی کوششیں ہو رہی ہیں یہ ایک سلسلۃ الذھب (سنہری زنجیر) ہے اور تنظیم اسلامی اس زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کوئی نئی بات لے کر آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ((مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ)) ”(دین وہی ہے) جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں“۔ رسول اللہ ﷺ نے اصلی اور کامل شکل کے اندر دین قائم کیا تھا اور اسے اب دوبارہ نافذ کرنا ہے۔ تنظیم اسلامی اسی کام کے لیے قائم ہوئی ہے‘ کسی جزوی کام کے لیے نہیں‘ صرف اصلاحی‘ تبلیغی اور تعلیمی کام کے لیے نہیں۔ یہ سارے کام بھی ہوں گے‘ لیکن یہ سب اُس بڑے کام یعنی انقلاب کے رُخ پر ہوں گے‘ تاکہ ایک انقلاب برپا ہو اور پورے کا پورا دین حق قائم ہو جائے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی بھی قوت‘ کوئی بھی تنظیم‘ کوئی بھی جماعت یا کوئی بھی تحریک اگر اقامت دین کی جدوجہد کے لیے کوشاں ہے تو اس کے لیے یہ شعور لازم ہے کہ دنیا میں اِس وقت کیا ہو رہا ہے‘ کون کون سی قوتیں برسرکار ہیں اور کون کون سی قوتیں

برسرِ پیکار ہیں۔ تصادم ہو رہا ہے تو کن کن کے مابین ہو رہا ہے۔ اگر کچھ لوگ یا قوتیں فعال ہیں تو وہ کون کون سی ہیں' ان کے مقاصد کیا ہیں' ان کا ایجنڈا کیا ہے۔ وہ کیا پیش قدمی کر رہے ہیں۔ پھر خاص طور پر اپنے ملک میں جہاں آپ کو کام کرنا ہے' کون کون سی قوتیں کیا کیا کام کر رہی ہیں۔ تو اس حوالے سے ان لوگوں کے اندر ایک واضح شعور کا ہونا ضروری ہے جو اقامت دین کی جدوجہد میں اپنے آپ کو شامل کر رہے ہیں۔ اس اعتبار سے ہمیں دو سطحوں پر شعور حاصل کرنا ہوگا۔ ایک عالمی یا آفاقی سطح پر اور دوسرے زمینی سطح پر۔ میں نے آغازِ خطاب میں سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کی تلاوت کی ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ ''فساد نمایاں ہو گیا ہے بر میں بھی اور بحر میں بھی لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے''۔ ہماری یہ زمین دو حصوں پر ہی مشتمل ہے' یا سمندر ہے یا خشکی ہے۔ تو اب کوئی حصہ بھی اس فساد سے خالی نہیں رہا اور یہ ہوا ہے لوگوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے۔ آگے فرمایا: ﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''تاکہ اللہ تعالیٰ مزا چکھائے ان کو اُن کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آ جائیں''۔ چنانچہ ایک ہے آفاقی فساد اور ایک ہے زمینی فساد۔

دجالیت کے آفاقی مظاہر

آفاقی فساد کی تین سطحیں ہیں۔ بالفاظِ دیگر دجالیت کے تین آفاقی مظاہر یا تین سطحیں ہیں۔ میں یہ چیزیں کئی بار بیان کر چکا ہوں اور آج ایک اضافے کے ساتھ اس طرف محض اشارات کر رہا ہوں۔ سب سے اونچی سطح ہے سیاسی سطح۔ اس سطح پر فساد یہ ہے کہ سیاسی سطح پر اللہ تعالیٰ کو بے دخل کر دو (معاذ اللہ) ـــــ اللہ حاکم نہیں ہے بلکہ عوام حاکم ہیں۔ عوامی حاکمیت اللہ تعالیٰ کے خلاف سب سے بڑا کلمۂ بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ اور: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ اَحَدًا ﴿۲۶﴾﴾ (الکہف) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ﴾ (الحشر: ۲۳) ''وہ بادشاہ ہے' نہایت مقدس' سراسر سلامتی' امن دینے والا' نگہبان' سب پر غالب' اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہو کر رہنے

والا‘‘ لیکن دجالیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ریاست سے‘ سیاست سے‘ حکومت سے‘ قانون سے بے دخل کر دو۔ ریاست کا کسی مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے‘ مذہب صرف انفرادی معاملہ ہے۔ چاہے مسجدوں میں جا کر نماز پڑھو‘ رکوع وسجود کرو‘ چاہے مندروں میں جا کر بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرو۔ تم اپنے چرچز‘ سینیگاگز اور گردواروں میں جانے کے لیے آزاد ہو‘ لیکن حاکمیت عوام کی ہوگی۔ یہی سیکولرازم ہے کہ دستور و قانون کا کوئی تعلق کسی مذہب‘ کسی آسمانی ہدایت کے ساتھ نہیں‘ وہ ہم خود بنائیں گے۔ یہ فساد بمعنی بغاوت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے خلاف سب سے بڑی بغاوت ہے‘ جس کا نام ہے عوامی حاکمیت اور سیکولرازم۔

آفاقی فساد یا دجالیت کی دوسری سطح معاشی ہے اور یہ بھی یونیورسل ہے۔ اِس وقت دنیا کا پورا معاشی نظام سود اور جوئے پر مبنی ہے‘ جبکہ ازروئے قرآن یہ بدترین گناہ ہے‘ سود سے بڑا جرم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر سود سے باز نہیں آتے ہو تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ دوسری چیز جوا ہے۔ آج تمام کاروبار اور فنانس مارکیٹ جوئے پر مبنی ہے‘ سٹاک ایکسچینج میں بھی جوا ہے۔ معاشی سطح پر مزید دو چیزیں قحبہ گری اور منشیات بھی شامل ہیں۔ آج کی دنیا میں سیکس بھی جائز ذریعۂ آمدنی ہے‘ قحبہ گری یا عصمت فروشی (prostitution) کوئی حرام یا بری شے نہیں‘ اور یو این او کی سفارشات یہ ہیں کہ اس دھندے میں ملوث عورتوں کو عصمت فروش بھی نہ کہا جائے‘ بلکہ انہیں سیکس ورکر کہا جائے۔ ایسے ہی نشہ آور چیزیں بنانا اور بیچنا سب جائز ہے۔ تو یہ چار چیزیں ہوگئیں‘ سود‘ جوا‘ فحاشی اور منشیات۔

تیسری سطح سماجی ہے کہ شرم و حیا اور عفت و عصمت کے تصورات سب دقیانوسی باتیں ہیں۔ آزاد جنسی تعلقات استوار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عورت اپنے حسن کی نمائش جس طرح چاہے کرے‘ اسے روکنے والے تم کون ہوتے ہو؟ اسی وجہ سے آج آپ کو سڑکوں پر نیم عریاں جوان لڑکیاں تھرکتی ہوئی چلتی نظر آتی ہیں۔ یہ تیسری چیز یعنی شرم و حیا اور عفت و عصمت کے خاتمے کی وبا ہمارے ہاں ابھی اتنی نہیں آئی ہے۔ ابھی

عالمِ اسلام پوری طرح اس کے دھارے میں نہیں آ سکا۔ ہمارا ایلیٹ طبقہ جو بالکل مغرب پرست ہے' وہاں پر تو یہ چیزیں آ گئی ہیں' لیکن عمومی طور پر نہیں آ ئیں۔ اس لیے اس وقت اس پر بہت زور لگ رہا ہے۔ این جی اوز کو اس مقصد کے لیے اربوں ڈالر دیے جا رہے ہیں کہ یہ جو شرم و حیا اور عفت و عصمت کے تصورات اور خاندانی نظام ابھی عالمِ اسلام کے اندر موجود ہے' اسے ختم کرنا ہے۔ ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۶ء میں جو کتاب لکھی تھی: Clash of Civilizations (تہذیبی تصادم) تو اس میں اُس نے یہی لکھا ہے کہ مسلم تہذیب ہمارے اندر مدغم نہیں ہو رہی' یہ ہمارے لیے لوہے کا چنا ثابت ہو رہی ہے' ہم اسے اپنے اندر جذب (assimilate) نہیں کر پا رہے۔ لہٰذا اس کے لیے بہت زور لگایا جا رہا ہے۔ عورتوں کی مکمل آزادی اور ان کے مَردوں کے برابر حقوق کے نعرے لگ رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایک آرڈیننس پاس ہوا ہے اور قانون بن گیا ہے کہ جب تک زنا کے چار عینی گواہ مجسٹریٹ کے سامنے جا کر گواہی نہ دے دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے زنا ہوتے دیکھا ہے تب تک زنا کا پرچہ ہی درج نہیں ہوگا اور اس سلسلے میں کوئی تفتیش نہیں ہوگی۔ یہ سب اس لیے کیا گیا ہے تاکہ عورت کو اس خوف سے آزاد کر دیا جائے کہ اگر وہ اس کام میں پکڑی گئی تو سزا ہو جائے گی۔

دجالیت کا عظیم ترین منبع

اب ذرا یہ جان لیں کہ ان تینوں چیزوں کا منبع (source) کہاں ہے۔ اس کائنات کے اندر شر کا سب سے بڑا منبع ابلیس لعین ہے اور اِس وقت کم سے کم پچھلے چار سو سال سے ابلیس لعین کے سب سے بڑے ایجنٹ یہود ہیں۔ یہ دنیا میں شیطنت کی سب سے بڑی قوت (Satanic Force) ہیں۔ یہودیوں نے ہی سیکولرازم ایجاد کیا۔ اس کی جڑ بنیاد وطنیت تھی کہ ایک ملک کے رہنے والے سب برابر کے شہری ہیں اور اس کا فائدہ یہودیوں کو ہی پہنچا۔ اس لیے کہ وہ دنیا میں بہت ہی قلیل اقلیت (minute minority) میں ہیں۔ اگر مذہب کا معاملہ ہوتا تو اُن کی کوئی حیثیت ہی نہ رہتی۔ لیکن جب مذہب کو ایک طرف نکال دیا گیا تو اب سبھی برابر کے شہری ہیں۔ اس طرح

یہودیوں نے برابر کے حقوق حاصل کر لیے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ڈالر کے نوٹ پر اہرامِ مصر کے نیچے لکھا ہوا ہے: ''NOVUS ORDO SECLORUM'' یعنی ہمیں نیوسیکولر ورلڈ آرڈر بنانا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی جو ۱۷۷۶ء لکھا ہوا ہے اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ امریکہ کی آزادی کا سال ہے اور یہی وہ سال ہے جب یہودیوں نے ''آرڈر آف الیومیناٹی'' بنایا تھا۔ اسی طرح یہودیوں نے سودخوری کے لیے یورپ میں اجازت حاصل کی۔ اس سے پہلے وہاں جب تک پوپ کی حکومت تھی دونوں قسم کا سود ممنوع تھا' یعنی مہاجنی سود (usury) اور کمرشل انٹرسٹ۔ مہاجنی سود جو عام طور پر ذاتی استعمال کے لیے بڑی شرح کے ساتھ دیا اور لیا جاتا ہے' یہ ہمارے ہاں بھی ابھی تک موجود ہے۔ مختلف شہروں میں سودخوروں کے بڑے بڑے اڈے ہیں اور ان کی بہت بڑی طاقت ہے۔ تو یہودیوں نے یورپ میں سود کی اجازت لی۔ کیلون (Calven) نے ایک کتاب لکھی جس کے نتیجے میں سود کو جائز قرار دیا گیا۔ اور یہ سب پوپ کے خلاف بغاوت کر کے ہوا۔ پوپ سے بغاوت کر کے پہلا چرچ جو قائم کیا گیا وہ ''چرچ آف انگلینڈ'' تھا اور پھر پہلا بینک جو دنیا میں قائم ہوا وہ ''بینک آف انگلینڈ'' تھا۔ تب انگلینڈ کے بارے میں یہودیوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا اسرائیل ہے' ہمیں تو یہاں جنت مل گئی ہے' ہم یہاں آ گئے ہیں اور برابر کے شہری ہیں' ہمیں شہریت کے سارے حقوق حاصل ہو گئے۔ پھر یہودیوں نے دنیا میں بینکنگ کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور بینکوں کا جال بچھا دیا۔ اس پر علامہ اقبال کہتے ہیں: ؎

ایں بنوک ایں فکر چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود

کہ یہ بینکوں کا نظام یہودیوں کے چالاک فکر کا نتیجہ ہے' اور اللہ نے انسان کے اندر اپنا جو نور پھونکا تھا انہوں نے اسے نکال باہر کر دیا۔ اب انسان حیوان بن کر رہ گیا ہے۔ یہی معاملہ شرم و حیا اور عفت و عصمت کا ہے۔ ۱۸۹۷ء میں سوئٹزر لینڈ کے شہر برسلز کے اندر انہوں نے باقاعدہ طور پر جو ''Protocols of the Elders of Zions'' مرتب

کیے اس میں یہی لکھا ہے کہ شرم وحیا کی یہ ساری اقدار ختم کر کے انسانوں کو اپنی شہوات اور خواہشات کا غلام بنا دیا جائے۔ انہیں حیوان بنا دیا جائے' تا کہ پھر ہم ان حیوانوں کو استعمال کر سکیں۔ اور جیسے گھوڑے کو تانگے میں یا بیل کو ہل میں جوتا جائے تو انہیں کچھ کھلایا بھی جاتا ہے' تا کہ وہ اگلے دن بھی کام کر سکیں' ایسے ہی یہودیوں کی پالیسی ہے کہ ہم پوری دنیا کے ان انسان نما حیوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں گے' لیکن ان کی کمائی میں سے کچھ نہ کچھ ہم ان کو بھی دیتے رہیں گے۔ ان کی کمائی کی جو اصل ملائی ہے وہ ہم سود کے ذریعے کھینچ لیں گے اور تلچھٹ ان کے لیے چھوڑ دیں گے۔ تو درحقیقت ان تینوں چیزوں کا مرجع' منبع اور سرچشمہ یہود ہیں۔

دجالیت کے زمینی مظاہر

اب ذرا نیچے آئیے۔ یہ تو ہوا سیاسی' معاشی اور سماجی سطح پر دجالیت کا مظہر یا آفاقی فساد۔ اب دیکھئے کہ زمین پر کیا ہو رہا ہے۔ جب یو ایس ایس آر ختم ہوا تو امریکہ کو سول سپریم پاور آن اَرتھ ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اِس وقت امریکہ بے شک بہت بڑی طاقت ہے۔ لیکن یاد رہے کہ دوسری عالمی جنگ سے پہلے امریکہ کسی بین الاقوامی معاملے میں نہیں آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ دو سمندروں کے مابین ہے۔ ایک طرف بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) اور دوسری طرف بحرالکاہل (Pacific Ocean) ہے اور امریکہ گویا ان دو کے درمیان ایک بہت بڑا جزیرہ ہے۔ دوسری عالمی جنگ سے پہلے اسے باقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے جو بھی ترقی کی ہے اپنے اندر رہ کر کی ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں جرمنی چھا گیا تھا اور اس نے سارا یورپ فتح کر لیا تھا۔ فرانس وغیرہ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی' اُس نے برطانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ لندن پر اتنی بمباری کی کہ یہ شہر پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس موقع پر چرچل نے امریکہ کا دورہ کیا اور بڑی کوشش کی کہ کسی طرح امریکہ اس جنگ میں ہمارا ساتھ دے تا کہ جرمنی اور جاپان کو شکست ہو۔ لیکن امریکہ مسلسل انکار کر رہا تھا۔ اس کے بعد جاپان کی طرف سے پرل ہاربر (Pearl Harbour) کا واقعہ ہوا۔ یہ بات یقین

سے نہیں کہی جا سکتی کہ وہ بھی یہود کی سازش سے ہوا یا جاپان نے جان بوجھ کر کیا۔ پرل ہار بر بحرالکاہل میں ایک بہت بڑی امریکی بندرگاہ ہے‘ یہاں پر ایک بہت بڑا نیول بیس تھا۔ اس پر جاپانیوں نے اچانک بغیر کسی وارننگ کے حملہ کر دیا اور بہت سے جہاز غرق کر دیے۔ ان کے بے شمار لوگ قتل ہو گئے اور بہت بڑی بربادی اور تباہی آئی۔ اس کے نتیجے میں گویا یہ شیر جو اپنی کچھار میں سویا ہوا تھا‘ اسے میدان میں نکلنا پڑا۔ اس کے بعد اس جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ جرمنی کی بھی کمر ٹوٹ گئی اور جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ نے جو ایٹم بم گرائے تو اس سے اس کا بھرکس نکل گیا۔ تو اُس وقت سے امریکہ میدان میں آیا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی تقریباً چالیس پینتالیس برس تک امریکہ روئے ارضی کی واحد سپریم پاور نہیں بنا تھا‘ بلکہ ایک مدمقابل اس کے سامنے کھڑا تھا‘ اور وہ یو ایس ایس آر تھا۔

۱۹۱۷ء میں روس میں جو انقلاب آیا تھا تو اس کے بعد کمیونزم اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ پورا مشرقی یورپ اس کی لپیٹ میں آ گیا‘ چائنا بھی کمیونسٹ ہو گیا۔ یہاں تک کہ لاطینی امریکہ میں بھی کمیونزم پہنچ گیا۔ کیوبا ابھی تک کمیونسٹ سٹیٹ ہے۔ تو یہ طوفان اس تیزی سے اٹھ رہا تھا کہ امریکہ کو سرتوڑ کوشش کرنی پڑی کہ اسے کسی طریقے سے روکا جائے‘ اس کے آگے بند باندھا جائے۔ اسی مقصد کے لیے MEDO بنی‘ CENTO بنی‘ SEATO بنی اور پھر NATO بنی۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ ایک طرف کمیونزم کا سیلاب آ رہا تھا تو دوسری طرف فضا کی تسخیر میں روس سب پر بازی لے گیا‘ سائنس میں بازی لے گیا۔ دنیا میں سب سے پہلے روس کے خلانورد خلا کے اندر گئے۔ تو امریکہ کانپ رہا تھا اور اس کی ساری بھاگ دوڑ اس پر مرکوز تھی کہ کسی طرح اس طاقت کو نیچا دکھایا جائے۔ لہٰذا سینٹو‘ سیٹو اور نیٹو وغیرہ سب کے سب معاہدے روس کے گھیراؤ کے لیے تھے۔ بہرحال امریکہ کی کوششوں سے ایک طرف یو ایس ایس آر کی اکانومی بیٹھ گئی اور دوسری طرف روس سے خاص طور پر جو حماقت ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ افغانستان پر حملہ آور ہو گیا۔ اب یہاں روس کے مقابلے کے لیے افغان کھڑے ہو گئے

اور امریکہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان کی بہت مدد کی اور انہیں استعمال کیا۔ اسے بہترین موقع مل گیا کہ مریں گے افغان جبکہ پیسہ ہم دیں گے‘ ہتھیار ہم فراہم کریں گے۔ چنانچہ ڈالروں سے بھرے بڑے بڑے بکس افغانستان پہنچنا شروع ہو گئے۔ اُس وقت افغان مجاہدین بڑی بڑی شاندار قسم کی گاڑیوں کے اندر گھوما کرتے تھے۔ یہ سب پیسہ امریکہ کا تھا‘ ہتھیار امریکہ کے تھے۔ امریکہ نے انہیں سٹنگر میزائل دے دیا جو روس کی شکست کی اصل وجہ بنا۔ اب چونکہ یو ایس ایس آر ختم ہو گیا تو امریکہ کو سول سپریم پاور آن اَرتھ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ میں نے پوری تاریخ آپ کے سامنے رکھ کر بتا دیا ہے کہ امریکہ بین الاقوامی معاملات میں پہلے نہیں آیا تھا۔ جس طرح ابھی چین بین الاقوامی معاملات میں آنے کو تیار نہیں۔ وہ اپنی معاشی ترقی میں لگا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی اکانومی کو اتنا مضبوط کر لے کہ پھر بڑی سے بڑی طاقت بھی اس سے نہ ٹکرا سکے۔ بہرحال امریکہ اپنے ہاں ترقی میں مگن تھا۔ لیکن پھر یہودیوں کی سازش سے یا جاپانیوں کی اپنی حماقت کہ انہوں نے جا کر پرل ہاربر پر حملہ کر دیا جس سے امریکہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا‘ جس کے نتیجے میں وہ میدان میں آیا اور پھر جرمنی اور جاپان کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد پھر صرف ”کولڈ وار“ رہ گئی۔ ”ہاٹ وار“ اس لیے نہیں ہوئی کہ ایٹمی ہتھیار اُدھر بھی تھے اور اِدھر بھی تھے۔ پچھلی صدی کا نصف ثانی اس کیفیت میں گزرا کہ دونوں طرف سے میزائیل ایک دوسرے کا نشانہ لیے تیار حالت میں تھے۔ خطرہ یہ ہوتا تھا کہ کبھی اتفاقاً بھی کوئی بٹن دب گیا تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ پھر جو جنگ ہو گی وہ ایٹمی جنگ ہو گی۔ اس کے بعد دنیا نہیں رہے گی‘ بلکہ ختم ہو جائے گی۔ لیکن بہرحال اس کے بعد امریکہ سول سپریم پاور آن ارتھ بن گیا۔

امریکہ میں اعلیٰ سطح کے پالیسی ساز اداروں میں ان کے فہیم عناصر (intellectuals) بیٹھے ہوئے ہیں اور پچھلی صدی کی آخری دہائی سے ان تھنک ٹینکس کی سوچ کا محور یہی ہے کہ اپنی اس پوزیشن کو کیسے برقرار رکھنا ہے۔ چنانچہ وہ اسی پر غور و خوض کرتے ہیں کہ اکیسویں صدی کو امریکہ کی صدی بنانا ہے تو اس کے لیے انہیں کیا کرنا

ہو گا۔ یعنی امریکہ کو دنیا کے پولیس مین کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ کسی بھی جگہ کچھ بھی ہو وہ اس کی اجازت سے ہو۔ جنگ ہو تو اس کی اجازت سے ہو' صلح ہو تو اس کی اجازت سے ہو۔ ان تھنک ٹینکس کے پیشِ نظر دوسری چیز یہ ہے کہ اس دجالی تہذیب اور تمدن کو بقاء اور دوام دینا ہے۔ یہ دجالی تہذیب جو یہودیوں کے ذریعے سے پچھلے تین سو برس میں اُبھری ہے اب اس کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی دوسری تہذیب اس کے مقابلے میں نہ آنے پائے' کوئی تہذیب اس کو چیلنج نہ کرنے پائے۔ دجالیت کی جو تین سطحیں میں نے گنوائی ہیں ان کو پوری طرح برقرار رکھنا ان کا مطمحِ نظر ہے۔

اس کے علاوہ ان کا ایک تیسرا مقصد بھی ہے۔ دراصل اس ساری منصوبہ بندی کے پیچھے اصل دماغ صیہونیوں (Zionists) کا ہے اور صیہونی دو طرح کے ہوتے ہیں' یہود اور عیسائی۔ تو ان دونوں کا جو پانچ نکاتی ایجنڈا ہے اس کو مکمل کرنا ان کا تیسرا مقصد ہے۔ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک بہت بڑی خونریز جنگ ہونی ہے جسے احادیث میں ''الملحمة العظمٰی'' کہا گیا ہے۔ اسے ''ہرمجدون'' (Armageddon) بھی کہا جاتا ہے۔ صیہونیوں کا مقصد ہے گریٹر اسرائیل کا قیام' جس میں مشرقِ وسطیٰ کے تقریباً تمام ممالک آ جائیں گے۔ پھر یہ کہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ (Dome of the Rock) کو گرانا' تاکہ وہ تھرڈ ٹیمپل تعمیر کریں اور اس میں وہ تختِ داؤدؑ (Throne of David) لا کر رکھ دیں۔ اِس وقت یہ ویسٹ منسٹر ایبے کے اندر رکھا ہوا ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر بٹھا کر حضرت داؤد علیہ السلام کی تاجپوشی کی گئی تھی۔ یہ اب ایک کرسی میں ایک سیٹ کے طور پر لگا ہوا ہے۔ ان کا چوتھا مقصد عالمِ اسلام کے وسائل خاص طور پر تیل پر قبضہ کرنا ہے۔ یہود اور امریکہ کے مقاصد کو سمجھنا بہت ضروری ہے' ان کے یہ چاروں مقاصد ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں' جیسے ایک رسّی ہوتی ہے جو مختلف لڑیوں سے بٹ کر بنائی جاتی ہے۔

بش ڈاکٹرائن

اس ضمن میں بش کے دَور کی خاص بات یہ ہے کہ امریکہ کو عالمی رائے عامہ کی کوئی

پرواہ نہیں‘ یواین اواور خود اپنے یورپی اتحادیوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ البتہ اس جنگجوئی کے لیے وہ اپنی رائے عامہ کو تیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر وہ جنگیں جو انہوں نے مشرقِ وسطیٰ اور عالمِ اسلام کے اوپر مسلط کی ہوئی ہیں‘ اس کے لیے انہیں پیسے کی ضرورت ہے۔ اس کی منظوری کانگریس دیتی ہے اور کانگریس میں عوام کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے ایک سازش گھڑ کر ''Twin Towers'' کو گرایا گیا اور نائن الیون کا واقعہ پیش آیا۔ اس سے پہلے امریکہ میں ایک کتاب بھی لکھی جا چکی تھی: "America needs a Pearl Harbour" کہ امریکہ کو ایک بار پھر پرل ہاربر جیسے واقعہ کی ضرورت ہے۔ جیسے پرل ہاربر کے نتیجے میں وہ امریکی شیر ایک دم دھاڑتا ہوا اپنی کچھار سے نکلا تھا ایسے ہی اب پھر اس بات کی ضرورت ہے کہ امریکہ کو پھر اتنا بڑا نقصان پہنچے جتنا بڑا پرل ہاربر میں پہنچا تھا‘ تاکہ پوری قوم غصے میں آ کر آواز اٹھائے کہ دشمن کو تہس نہس کر دو۔ یہ بش کی پالیسی (Bush Doctrine) ہے۔ اور بش ڈاکٹرائن میں یہ بھی ہے کہ ہمیں جہاں کہیں سے بھی کوئی اندیشہ ہوگا‘ چاہے وہاں سے ہم پر کوئی حملہ نہ ہو‘ ہم وہاں پہلے ہی ازخود حملہ کر دیں گے۔ امریکہ کی طرف سے یہ باتیں کھلم کھلا کہی گئی ہیں‘ حالانکہ پوری دنیا میں اس رائے کے خلاف مظاہرے ہوئے اور بڑے بڑے جلوس نکلے۔ لندن میں جتنا بڑا جلوس نکلا‘ لندن کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ لیکن امریکہ نے اپنے ذرائع ابلاغ یعنی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے سے اپنی رائے عامہ کو پوری طرح ہموار کر لیا کہ نائن الیون کا سانحہ مسلمانوں نے کیا ہے‘ یہ اسامہ نے کیا ہے‘ القاعدہ نے کیا ہے‘ ان سے ہمارے وجود کو خطرہ ہے لہٰذا ان پر ٹوٹ پڑو۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے ہاں شہری حقوق اور شہری آزادیوں کو معطل کیا جو اُن کے لیے بہت قابل فخر چیزیں تھیں۔ ان کے اندر انہوں نے کٹوتیاں کیں۔ یہ ساری سکیم محض اس لیے تیار کی گئی تاکہ امریکی رائے عامہ بش کی جنگجوئی کے لیے مواد فراہم کرتی رہے اور کانگریس سے پیسے کی منظوری ملتی رہے۔ ان جنگوں اور پالیسیوں پر ان کا اربوں ڈالر روزانہ کا خرچ اٹھ رہا ہے۔

دجالیت کا اصل ہدف: عالمِ اسلام

امریکہ اپنے مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے جنگی جنون میں مبتلا ہے اور صدر بش امریکہ کے تمام سابقہ صدور سے بڑا جنگجو صدر کہلاتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ جنگ کرو۔ یہ کٹر عیسائی ہے اور Evengelist ہے۔ اِس کا باپ بلی گراہم کے بیٹے کا مرید تھا اور یہ بھی اس کا مرید ہے۔ واضح رہے کہ بلی گراہم ایک بہت بڑا Evengelist تھا۔ اخبارات میں چھپا ہے کہ ۲۰۰۵ء میں صدر بش نے ایک کٹر کرسچین آرگنائزیشن کو چالیس ارب ڈالر دیے تھے۔ اور نیویارک ٹائمز کی ایک تازہ اطلاع ہے کہ ۲۰۰۴ء میں بش نے حکم دے دیا تھا کہ سعودی عرب پر بھی حملہ کرو' پاکستان پر بھی اور شام پر بھی۔ لیکن امریکہ کی ڈیفنس فورسز کے کمانڈر نے کہا کہ نہیں' ہم پہلے ہی بہت پھیل گئے ہیں' ہماری قوت بہت زیادہ منقسم اور منتشر ہو گئی ہے۔ ہماری فوج افغانستان میں ہے' عراق میں ہے اور ہمارے اڈے کہاں کہاں تک بنے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے اڈا جہاں بھی ہوتا ہے وہاں فوج بھی ہوتی ہے۔ تو اس نے روکا کہ آخر ہم کہاں سے اتنی فوج لائیں گے؟ امریکہ نے Twin Towers کا ڈرامہ رچا کر جو حملہ کیا تو اس جنگجوئی کا اوّلین ہدف عالمِ اسلام بنا۔ اس لیے کہ پرانی کہاوت ہے ''نزلہ برعضو ضعیف'' کہ نزلہ انسان کے جسم کے کمزور اعضاء پر گرتا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں مسلمان کمزور ہیں' اس لیے ان پر فتوحات حاصل کرنا امریکی ایجنڈے میں شامل ہے۔ پھر یہ کہ تیل کے عظیم ترین ذخائر عربوں کے قدموں کے نیچے ہیں۔ امریکہ کا یہاں پر ایک نئی عرب شیعہ ریاست بنانے کا پروگرام ہے جس میں ایران کا ایک صوبہ اہواز بھی آتا ہے جو خلیج کا مشرقی ساحل بنتا ہے جہاں عرب آباد ہیں' اور خلیج کے دوسری طرف سعودی عرب کی مشرقی پٹی بھی اس نقشہ میں شامل ہے۔ پھر کویت اور عراق کا ایک جنوبی حصہ بھی اس میں شامل ہے جہاں شیعہ آباد ہیں۔ ان کو ملا کر ایک نئی عرب شیعہ ریاست بنانا ان کے پروگرام میں شامل ہے اور وہ یہ نقشہ شائع کر چکے ہیں۔

پھر یہ کہ ان کی دجالی تہذیب کے لیے بھی صرف عالمِ اسلام رکاوٹ ہے۔ باقی دنیا تو حیوان بن چکی ہے۔ وہاں آزاد شہوت رانی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ عفت وعصمت بھی کسی شے کا نام ہے۔ جبکہ مسلمان ممالک میں ابھی تک عفت وعصمت اور شرم وحیا کا تصور قائم ہے۔ والدین کا ادب اور عزت واحترام ابھی باقی ہے۔ بڑھاپے کے اندر ان کی خدمت کرنا مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے۔ خاندانی نظام ابھی باقی ہے۔ بیوی اور شوہر عمر بھر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ پوری طرح وفادار رہتے ہیں۔ والدین کی ساری توجہ اولاد پر مرکوز ہے۔ اگرچہ کچھ غلطیاں کوتاہیاں ہو جاتی ہیں' لیکن مسلمانوں کا خاندانی نظام قائم ہے۔ جبکہ یورپ میں جب لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں تو والدین کہتے ہیں اب جاؤ اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ' اب ہم ذمہ دار نہیں ہیں' ہم نے جتنا پالنا پوسنا تھا پال پوس دیا۔ لہٰذا ان کا خاندانی نظام برباد ہو گیا ہے۔

صیہونیوں کا جو پانچ نکاتی ایجنڈا ہے وہ بنیادی طور پر مشرقِ وسطیٰ سے متعلق ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں جو صورت حال بن رہی ہے اس سے مجھے اندیشہ ہے کہ یہودی شاید بہت جلد مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو گرا دیں۔ اس کے نتیجے میں ایک طوفان برپا ہوگا اور اس کو دبانے کے لیے پھر اتحادی افواج حملہ آور ہوں گی۔ رسول اللہﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ عیسائی تم پر اسّی علَم لے کر حملہ آور ہوں گے اور ہر علَم کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی' یعنی ساڑھے نو لاکھ فوج۔ یہ نیٹو جو تیار ہو رہی ہے اور اس کی مسلسل توسیع کی جا رہی ہے تو یہ کس لیے ہے؟ حالانکہ نیٹو تو بنائی گئی تھی روس کے خلاف اور روس اب ختم ہو چکا ہے' وہ ان کے لیے اب کوئی چیلنج نہیں رہا۔ اگرچہ وہ دوبارہ اُبھر رہا ہے لیکن ابھی اس کے اندر ان کا سامنا کرنے کا دم خم نہیں ہے۔ تو یہ نیٹو اسی لیے تیار ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کا جو پانچ نکاتی ایجنڈا ہے اس کو پورا کیا جا سکے۔ اور اس کے لیے ظاہر بات ہے ان کو جنگ کرنا ہوگی۔ گریٹر اسرائیل کے مجوزہ نقشہ میں انہوں نے عراق' شام' اردن اور لبنان کے پورے پورے ممالک شامل کیے ہیں۔ ترکی کا جنوبی حصہ اور سعودی عرب

کا شمالی حصہ بشمول مدینہ بھی اس نقشے میں شامل ہے۔ مکہ مکرمہ کی بات وہ نہیں کرتے' اس لیے کہ یہودی کبھی بھی مکہ میں آباد نہیں رہے۔ اس کے علاوہ مصر کا جشن کا علاقہ بھی اس نقشے میں شامل کیا گیا ہے جو ڈیلٹا کا انتہائی زرخیز علاقہ ہے اور جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے دَور میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے گیارہ بیٹے جا کر آباد ہوئے تھے۔ تو یہ ان کا گریٹر اسرائیل کا منصوبہ ہے' جس کے لیے بش نے جنگجویانہ پروگرام بنایا۔

صدر اوباما اور اس کی پالیسیاں

امریکہ میں جو اِس وقت بہت بڑی تبدیلی آئی ہے کہ باراک حسین اوباما صدرِ امریکہ بن گیا ہے' اس سے بڑی امیدیں وابستہ کی جا رہی ہیں کہ شاید وہ کچھ تبدیلی لائے گا اور کچھ اچھا کام کرے گا' اس لیے کہ اس کی رگوں میں مسلمان کا خون ہے۔ اس کا باپ اور دادا کینیا کے سیاہ فام مسلمان تھے جبکہ ماں عیسائی تھی اور وائٹ امریکن تھی۔ لیکن اس ضمن میں پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ امریکہ کی پالیسیاں دو ہوتی ہیں' ایک ڈومیسٹک اور ایک گلوبل یا انٹرنیشنل۔ ان کی جب حکومتیں بدلتی ہیں تو ڈومیسٹک پالیسیوں میں تو تبدیلیاں آ سکتی ہیں کہ ٹیکس کے اندر زیادتی یا کمی کر دی جائے' شرحِ سود میں اضافہ کر دیا جائے یا کمی کر دی جائے' امیگریشن پر پابندیاں لگائی جائیں یا دروازے کھول دیے جائیں' لیکن ان کی جو گلوبل' انٹرنیشنل یا فارن پالیسیاں ہیں ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ان کا نقشہ دس دس پندرہ پندرہ سال پہلے سے بنا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ان کے ہاں بڑے بڑے تھنک ٹینکس ہیں۔ ان کے جو تین سب سے بڑے ادارے ہیں' یعنی سی آئی اے' پینٹا گون (جو اُن کی مسلح افواج کا مرکز ہے) اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ' ان میں انتہائی ذہین و فطین لوگ بیٹھے ہوئے ہیں' جو طے کرتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے' اور کوئی بھی امریکی صدر آ کر اس میں بال برابر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا بش کی یہ پالیسی جوں کی توں جاری رہے گی۔ اور اوباما نے جو سفید فام امریکیوں سے ووٹ لیے ہیں تو اس وجہ سے کہ اس نے عالمِ اسلام کے خلاف دوسروں سے بڑھ چڑھ کر باتیں کی تھیں' اگرچہ بعد میں اس نے کچھ نرم لب و لہجہ اختیار کیا۔ یہ ایفرو امریکنز میں سے ہے۔ لہٰذا یہ

خاص طور پر ایسے کام کرے گا کہ سفید چمڑی والے امریکی اور خاص طور پر یہودی لابی ناراض نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ ایک بڑے کٹر یہودی کو وائٹ ہاؤس کا چیف آف سٹاف بنایا ہے' جس کا نام رام عمانویل ہے اور یہ اسرائیل کی Likud پارٹی سے ہے جو زیادہ کٹر' زیادہ مذہبی اور زیادہ انتہا پسند جماعت ہے۔ اس کے اس اقدام پر اسرائیل کے اخبارات نے فتح کے شادیانے بجائے ہیں کہ اب ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا' اب تو ہمارا اپنا آدمی پورے سیکرٹیریٹ کی سب سے بڑی اتھارٹی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک ہندو سونال شا کو اپنا مشیر بنایا ہے' جو ہندوؤں کی ایک متعصب اور مسلمانوں کی بہت شدید مخالف جماعت ''وشوا ہندو پریشد'' کے یوتھ ونگ ''بجرنگ دل'' سے متعلق ہے۔ گویا جنوبی ایشیا کے لیے اوباما کا مشیر یہ ہندو ہو گا۔ لہٰذا اس سے کسی خیر کی توقع نہ رکھیے۔

سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۰ میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ''اور (یاد کرو وہ وقت) جب دشمن تمہارے اوپر سے بھی چڑھ کر آئے تھے اور نیچے سے بھی''۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر دشمن کی فوجیں اوپر سے یعنی شمال اور مشرق سے بھی آئی تھیں اور جنوب سے بھی جو نیچے کا علاقہ کہلاتا تھا۔ آج بعینہٖ یہی صورت حال ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے کہ اِس وقت ایک تو اوپر سے دجالیت کے تین غلاف ہیں اور زمین پر یہودی صیہونیوں اور عیسائی صیہونیوں سب کا یہی پروگرام بن رہا ہے کہ عالمِ اسلام کو درہم برہم کر دینا ہے اور مشرقِ وسطیٰ کے اندر ایک گریٹر اسرائیل قائم کرنا ہے۔ اگرچہ ان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہو گا جب تک کہ اللہ نہیں چاہے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ۭ﴾ (الدھر: ۳۰) چنانچہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔

یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا کیا نقشہ ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے اللہ ہمیں آخری سزا دینے پر تل گیا ہو۔ آخری سزا کے ہم مستحق تو ہو چکے ہیں۔ خاص طور پر عرب سب سے بڑے مجرم ہیں جن کی مادری زبان میں اللہ کا کلام موجود ہے اور پھر بھی انہوں نے اللہ

کے نظام کو قائم نہیں کیا۔ ان کے ہاں بھی وہی مغرب کا نظام ہے‘ وہی سودی معیشت ہے‘ وہی تہذیب وتمدن ہے۔ دوسرے بڑے مجرم ہم پاکستانی مسلمان ہیں جنہوں نے اسلام کے نام پر ایک ملک تقسیم کرایا۔ لاکھوں جانیں قربان ہوئیں‘ ہزار ہا عورتوں کی عصمت دری ہوئی‘ ہزار ہا عورتیں اور بچے اغوا ہوئے۔ یہ سب اسلام کے نام پر ہوا کہ ہمیں ایک ایسا خطۂ زمین چاہیے جہاں ہم اسلام کا نظام قائم کر سکیں‘ لیکن کہاں ہے وہ اسلام؟ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی جس کی پاداش میں ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آخری سزا دے اور وہ یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں ہو۔ یہ بات ضرور امریکہ کے پیش نظر ہوگی کہ اپنے پانچ نکاتی ایجنڈے کو مکمل کرنے کے لیے پہلے پاکستان کے ایٹمی دانت توڑ دیے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عالمِ اسلام کے اندر ایک طوفان آ جائے اور عوامی بہاؤ کے اندر حکومتیں بہہ جائیں تو پھر یہ ایٹمی ہتھیار بنیاد پرست مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ میں پہلے یہ سن کر ہنسا کرتا تھا جب لوگ یہ کہتے تھے کہ کہیں یہ ایٹمی ہتھیار بنیاد پرستوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ میں کہتا تھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ پاکستان کے اندر بنیاد پرست مسلمانوں کی حکومت بنے؟ لیکن اب مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہاں یہ ممکن ہے۔ جس دن مسجد اقصیٰ شہید کی گئی اور قبۃ الصخرہ کو گرایا گیا تو عالمِ اسلام کے اندر ایک قیامت آ جائے گی۔ اسلامی ملکوں کی حکومتیں اور ہیں جبکہ عوام اور ہیں۔ عوام کے جذبات مختلف ہیں۔ پھر واقعتاً ایک طوفان برپا ہوگا اور اسے دبانے کے لیے عیسائی فوجیں اسّی علَم لے کر آئیں گی۔ یہ باتیں اب زیادہ دُور نظر نہیں آ رہیں۔

اب ہمیں کرنا کیا ہے‘ اس موضوع پر اِن شاء اللہ آئندہ نشست میں گفتگو ہوگی۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات oo

حقیقی مؤمن ـــــ اوصاف وعلامات

عتیق الرحمٰن صدیقی

جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے استفسار کیا کہ اے ابوسعید! کیا آپ مؤمن ہیں؟ تو آپؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''ایمان دو قسم کے ہیں' اگر آپ کے سوال کا مطلب یہ ہو کہ میں اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں' جنت و دوزخ اور یومِ آخرت اور جزا و سزا پر ایمان رکھتا ہوں تو بے شک میں مؤمن ہوں' اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ میں وہ مؤمن کامل ہوں جس کا ذکر سورۃ الانفال کی آیات میں ہے تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ان میں داخل ہوں یا نہیں''۔

یہ تھا جواب اُس بندۂ مؤمن کا جس نے نبوت کے عنبر فشاں ماحول میں پرورش پائی تھی' جو نہ صرف علم و فہم اور حکمت و بصیرت میں اونچا مقام رکھتے تھے بلکہ عبادت و زہادت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ سورۃ الانفال کی جن آیات کا انہوں نے تذکرہ فرمایا ان کا متن و ترجمہ یہ ہے:

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۚ﴿۴﴾﴾

''مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں اور وہ اپنے ربّ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ جو نماز کا اہتمام کریں اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو بخشا ہے خرچ کریں۔ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں' ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس درجے اور مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''

سورۃ الانفال غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے نوازا اور مالِ غنیمت بھی خاصی مقدار میں ان کے ہاتھ لگا۔ نبی کریم ﷺ نے جنگ سے فارغ ہونے کے بعد یہ حکم صادر فرمایا کہ تمام تر مالِ غنیمت کو یکجا کیا جائے۔ اس موقع پر یہ تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا کہ غنیمت میں حاصل ہونے والا یہ مال کیسے تقسیم کیا جائے۔ کیا پرانے رسم و رواج کے مطابق جو چیز جس کے ہاتھ لگے وہ لے کر چلتا بنے یا اسلام کی کوئی واضح ہدایت اس ضمن میں موجود ہے؟ امکان تھا کہ استحقاق کی یہ بحث زیادہ کشیدگی کی صورت اختیار کرے۔ قرآن حکیم نے یہ فرما کر اس نزاع کو ختم کر دیا کہ اموالِ غنیمت اصلاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ملکیت ہیں‘ اللہ و رسولؐ جس طرح ان کی تقسیم کریں اسے خوش دلی اور رضامندی سے قبول کیا جائے‘ ایمان والوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہر حکم کی اطاعت کریں اور ان کے دل میں کسی کے لیے کوئی رنجش اور بدگمانی نہ پنپنے پائے۔ ایمان کی حقیقت کو سمجھنے کا اقتضاء یہی ہے۔ یہ حکم سورۃ الانفال کی پہلی آیت میں نازل ہوا۔ حقیقی مؤمن کون ہیں‘ ان کے خصائص اور علامتیں کیا ہیں‘ سورۃ الانفال کی آیات ۲‘ ۳‘ ۴ میں انہی کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہم کمالِ ایمان کے ان مدارج کی درج ذیل سطور میں تشریح کر رہے ہیں۔

سچے اہل ایمان کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

> ''منافقوں کے دل میں نہ فریضے کی ادائیگی کے وقت ذکر اللہ ہوتا ہے نہ کسی اور وقت پر‘ نہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور ہوتا ہے‘ نہ اللہ پر بھروسا ہوتا ہے‘ نہ تنہائی میں نمازی رہتے ہیں‘ نہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن ایمان دار ان کے برعکس ہوتے ہیں۔ ان کے دل یادِ خالق سے کپکپاتے ہیں‘ فرائض ادا کرتے ہیں‘ آیاتِ الٰہی سن کر ان کے ایمان چمک اٹھتے ہیں‘ تصدیق میں بڑھ جاتے ہیں‘ ربّ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے‘ اللہ کی یاد سے تھرتھراتے رہتے ہیں‘ اللہ کا ڈر اُن میں سمایا ہوا ہوتا ہے''......سدیؒ فرماتے ہیں: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے جی میں ظلم یا گناہ کرنے کا خیال آتا ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ تو وہیں ان کا دل کانپنے لگتا ہے۔ اُمّ درداء فرماتی ہیں کہ دل اللہ کے خوف سے حرکت کرنے لگتے ہیں''۔ (ابن کثیر‘ جلد دوم)

الوجل کے معنی دل ہی دل میں خوف محسوس کرنے کے ہیں اور یہ وَجَل یَجِلُ کا

مصدر ہے جس کے معنی ڈرنے یا گھبرانے کے ہیں۔ جیسے سورۃ الانفال میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ﴾ سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿قَالَ اِنَّا مِنۡکُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۵۳﴾﴾ (الحجر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جب وہ اُن کے ہاں آئے اور کہا سلام ہو تم پر تو ابراہیمؑ نے فرمایا: ''ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے''۔ انہوں نے جواب دیا ''ڈرو نہیں' ہم تمہیں ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں''۔ سورۃ المؤمنون میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے وَجِلَۃٌ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ (المؤمنون) ''اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے ربّ کی طرف پلٹنا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت جب دلوں میں رچ بس جائے تو اس کا ایک تقاضا ہیبت اور خوف ہے۔ قرآن حکیم میں ایک دوسرے مقام پر اہل محبت کو یہ خوشخبری دی گئی ہے: ﴿وَبَشِّرِ الۡمُخۡبِتِیۡنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ......﴾ (الحج) ''اور خوشخبری دے دیجیے ان متواضع نرم خو لوگوں کو کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں''۔ جہاں سورۃ الانفال اور اس بشارت والی آیت کے ضمن میں ہیبت اور خوف کی بات کی گئی ہے وہاں دوسرے مقام پر اللہ کے ذکر کی یہ خاصیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ: ﴿اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد) یعنی اللہ کی یاد اور ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کے تسلسل میں فرماتے ہیں کہ:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس خوف اور ہیبت کا ذکر ہے وہ دل کے سکون و اطمینان کے خلاف نہیں' جیسے کسی درندے یا دشمن کا خوف قلب کے سکون کو برباد کر دیتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ دل میں پیدا ہونے والا خوف اس سے بالکل مختلف ہے اور اسی لیے یہاں لفظ خوف استعمال نہیں فرمایا' وَجَل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ مطلق خوف نہیں بلکہ وہ ہیبت ہے جو بڑوں کی جلالت شان کے سبب دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ اللہ کے ذکر اور یاد سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کر رہا تھا' اسی حال میں اس کو خدا تعالیٰ کی یاد آ گئی تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈر گیا اور گناہ سے باز آ گیا۔ اس صورت میں خوف سے مراد خوفِ

عذاب ہی ہوگا‘‘۔(معارف القرآن‘ جلد چہارم‘ ص۱۷۸‘ بحوالہ بحرمحیط)

حقیقی مؤمن کی دوسری اہم صفت یہ بیان کی گئی ’’اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے‘‘۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں کہ ’’یہ آیت اس باب میں قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں‘ وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے‘ نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ہیں‘ کیفیت ویقین میں تفاوت ہے‘‘۔(ترجمان القرآن‘ جلد دوم‘ ص۵۳)

دراصل اعمالِ صالحہ سے ایمان قوی اور توانا ہوتا ہے اور مؤمن کو قلبی طمانیت حاصل ہوجاتی ہے۔صالح اعمال کا عادتِ طبعی بن جانا اور گناہ سے طبعی طور پر نفور پیدا ہوجانا ایک ایسی کیفیت ہے جسے ایک حدیث میں ’’حلاوتِ ایمان‘‘ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ:

’’کسی شاعر نے اس کو اس طرح نظم کیا ہے: (**واذا حلت الحلاوۃ قلبا —— نشطت فی العبادۃ الاعضاء**)یعنی جب کسی کے دل میں حلاوتِ ایمان جگہ پکڑ لیتی ہے تو اس کے ہاتھ پیر اور سب اعضاء عبادت میں راحت اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ اسی لیے خلاصہ آیت کے مضمون کا یہ ہوا کہ ’’مؤمن کامل‘‘ کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں تو اس کے ایمان میں جلاء وترقی ہو اور اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت بڑھے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس طرح عام مسلمان قرآن پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ نہ قرآن کے ادب واحترام کا کوئی اہتمام ہے نہ اللہ جل شانہ کی عظمت پر نظر ہے‘ ایسی تلاوت مقصود اور اعلیٰ نتائج پیدا کرنے والی نہیں‘ گو ثواب سے وہ بھی خالی نہ ہو۔‘‘(معارف القرآن‘ جلد چہارم‘ ص۱۷۹)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

’’ایمان کوئی ساکن وجامد چیز نہیں ہے‘ اور تصدیق وعدمِ تصدیق کا بس ایک ہی ایک مرتبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی نے نہ مانا تو وہ بس ایک ہی نہ ماننا رہا اور اگر اس نے مان لیا تو وہ بھی بس ایک ہی مان لینا ہوا۔نہیں‘ بلکہ تصدیق اور انکار دونوں میں انحطاط اور نشوونما کی صلاحیت ہے‘ ہر انکار کی کیفیت گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے۔اور اسی طرح ہر اقرار وتصدیق میں ارتقاء بھی ہوسکتا ہے اور تنزل بھی‘ البتہ فقہی احکام کے اعتبار سے نظامِ تمدن میں حقوق اور حیثیات کا تعین جب کیا جائے گا تو تصدیق اور عدمِ تصدیق دونوں کے بس ایک ہی مرتبے کا اعتبار کیا جائے گا‘‘۔(تفہیم القرآن‘ جلد دوم‘ ص۱۳۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن حکیم کی تلاوت بڑی دلبستگی اور انہماک سے کرتے تھے اور پڑھوا کر سننے کا شوق بھی رکھتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہایت عمدہ قرآن پڑھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ملاقات جب کبھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوتی تو فرماتے ابوموسیٰ! ہمیں اپنے پروردگار کی یاد دلاؤ اور ابوموسیٰؓ قرآن کی تلاوت شروع فرما دیتے۔ (سنن دارمی)

قرآن کی تلاوت اور سماعت آنکھوں کو اشک بار کرتی ہے اور اس سے دل دہل جاتے ہیں' خشیت و محبت کی کیف زا کیفیت رونما ہونے لگتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ''۔ آپؓ نے عرض کیا: ''حضورؐ! میں آپؐ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟ ارشاد فرمایا: ''ہاں سناؤ' مجھے اچھا لگتا ہے کہ دوسرا پڑھے اور میں سنوں''۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی۔ جب آپؓ اس آیت پر پہنچے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ (النساء) ''پھر سوچو اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپؐ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے؟'' تو حضورؐ نے فرمایا: ''بس' بس''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (صحیح بخاری)

سچے مؤمنوں کی تیسری اہم صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ التوکّل (تفعّل کے وزن پر) کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ اوّل صلہٗ لام کے ساتھ' یعنی توکّلتُ لفلانٍ (میں فلاں کی ذمہ داری لیتا ہوں)۔ چنانچہ وکّلتُه فتوکّلَ لی کے معنی ہیں ''میں نے اسے وکیل مقرر کیا تو اس نے میری طرف سے ذمہ داری قبول کر لی''۔ دوم صلہٗ عَلٰی کے ساتھ۔ توکّلتُ علیه کے معنی ہیں ''میں نے اُس پر بھروسہ کیا''۔ ارشاد ہوا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (ابراہیم) ''اور ایمان داروں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے''۔ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (النساء) ''اور اللہ پر بھروسہ رکھو' اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔'' (مفردات القرآن)

توکل قرآن پاک کی ایک اہم اصطلاح ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر کسی حجرہ یا خانقاہ میں بیٹھ رہا جائے کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ خود کرے گا' یعنی تقدیر میں جو کچھ ہے وہ ہو کر رہے گا' اسباب اور تدبیر کی

ضرورت نہیں۔ یہ مذہبی اپاہجوں کا دل خوش کن فلسفہ ہے۔ اگر تدبیر اور جدوجہد و کوشش کا ترک ہی توکل ہوتا تو لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کو ہرگز مبعوث نہ فرماتا اور نہ ان کو اپنی تبلیغ رسالت کے لیے جدوجہد اور سعی و سرگرمی کی تاکید فرماتا۔ نہ اس راہ میں جان و مال کی قربانی کا حکم دیتا' نہ بدر و اُحد اور خندق و حنین میں سواروں' تیراندازوں' زرہ پوشوں اور تیغ آزماؤں کی ضرورت پڑتی اور نہ رسولؐ کو ایک ایک قبیلہ کے پاس جا جا کر حق کی دعوت کا پیغام سنانے کی حاجت ہوتی''۔ (سیرت النبی' جلد پنجم)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ‌ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ‌ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ﴿۱۵۹﴾﴾ (آل عمران)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپؐ ان پر نرم دل ہیں۔ اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔ سو آپؐ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور ان سے کام کا مشورہ کیا کریں' پھر جب آپؐ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

گویا حضور نبی کریمﷺ سے فرمایا گیا کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو مشاورت کرو' مشورہ کے بعد جب رائے ایک نقطہ پر ٹھہر جائے تو پھر اس کو انجام دینے کا عزم کر لو۔ وہ کام پوری مستعدی اور تن دہی سے شروع کرو اور خدا پر توکل اور بھروسہ رکھو۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ تمام اعمال و احوال میں مؤمن کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف ذاتِ واحد حق تعالیٰ پر ہو۔ صحیح حدیث میں آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ آدمی اپنی ضروریات کے لیے مادی اسباب و تدابیر کو ترک کر کے بیٹھ جائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب و آلات کو اصل کامیابی کے لیے کافی نہ سمجھے اور بقدرِ قدرت و ہمت مادی اسباب و تدابیر کو فراہم کرنے اور استعمال کرنے کے بعد معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور ان کے اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ ایک حدیث میں فرمایا: ((اَجۡمِلُوۡا فِیۡ طَلَبِ الدُّنۡيَا فَاِنَّ كُلًّا مُيَسَّرٌ لِمَا

خُلِقَ لَـہٗ﴾[1] یعنی رزق اور اپنی حاجات کے حاصل کرنے کے لیے متوسط درجہ کی طلب اور مادی اسباب کے ذریعے کوشش کرلو‘ لیکن ملے گا وہی جو تمہارے لیے بنا دیا گیا ہے‘ یعنی پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو‘ اپنے دل و دماغ کو صرف مادی تدبیروں اور اسباب ہی میں نہ الجھا کر رکھو‘‘۔(معارف القرآن)

سچے اہل ایمان کی چوتھی خصوصیت یہ بتائی کہ ’’نماز قائم کرتے ہیں‘‘۔اقامت کے معنی کسی چیز کو کھڑا کرنے یا اس طرح سیدھا کرنے کے ہیں کہ اس میں کوئی ٹیڑھ اور کجی باقی نہ رہ جائے۔قرآن نے نماز کے لیے ’’قائم کرنے‘‘ کا لفظ استعمال کیا نہ کہ پڑھنے کا۔ **قَامَ یَقُوْمُ قِیَامًا فَھُوَ قَائِمٌ** کا مطلب ہے کھڑا ہونا۔ **قَائِمٌ** کی جمع بھی قیام آتی ہے۔ **اِقَامَۃٌ** کے معنی دوسرے کو کھڑا کرنے کے ہیں اور **اقام بالمکان اقامۃ** کے معنی کسی جگہ قیام کرنے کے ہیں۔ **قِیَام** کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:(۱) کسی شخص کا تسخیری طور پر اپنے ارادہ سے کھڑا ہونا۔ (۲) **قیام للشیٔ** یعنی شے کی حفاظت اور نگہبانی کرنا۔ (۳) کسی کام کا پختہ ارادہ کرنا۔(مفردات القرآن)

صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں کہ:

’’قرآن نے نماز کے لیے قائم کرنے کا لفظ استعمال کر کے ایک ہی ساتھ کئی حقیقتوں کی طرف توجہ دلا دی ہے۔

☆ پہلی چیز جس کی طرف یہ لفظ متوجہ کرتا ہے‘ وہ نماز میں اخلاص ہے‘ یعنی نماز صرف اللہ ہی کے لیے پڑھی جائے‘ کسی اور کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔اس کے اندر سیدھے کرنے کا جو مفہوم ہے اس کا تقاضا اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک یہ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ ہی کے لیے نہ پڑھی جائے۔ دوسرے مقام پر یہ حقیقت واضح لفظوں میں بھی بیان کر دی ہے: ﴿**وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ**ط﴾ (الاعراف:۲۹) ’’اور اسی کی طرف اپنے رخ کرو ہر مسجد کے پاس اور اسی کو پکارو اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔‘‘

☆ ......دوسری چیز جس کی طرف یہ لفظ اشارہ کرتا ہے‘ وہ نماز کے اصل مقصود پر دل کو پوری طرح جمانا ہے۔نماز کا اصل مقصود ذکر الٰہی میں خشوع وخضوع ہے ......اس حقیقت کی طرف بھی قرآن نے بعض مقامات میں توجہ دلائی ہے۔ مثلاً: ﴿**وَاَقِمِ**

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب التجارات‘ الاقتصاد فی طلب المعیشۃ۔

الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ﴿۱۴﴾ ﴾(طٰہٰ) ''اور نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔''

☆......تیسری چیز یہ ہے کہ نماز بغیر کسی کمی بیشی کے اس طریقہ کے مطابق ادا کی جائے جس طریقہ پر اللہ تعالیٰ نے اس کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: ﴿فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ﴾(البقرۃ:۲۳۹) ''پس جب تم امن میں ہو جاؤ تو اس طریقہ پر اللہ کو یاد کرو جو طریقہ اس نے تم کو سکھایا ہے۔'' نماز کی صفوں کا ٹھیک کرنا اور ارکانِ نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا): ((تَسۡوِیَۃُ الصُّفُوۡفِ مِنۡ اِقَامَۃِ الصَّلَاۃِ))[1] ''صفوں کو برابر کرنا بھی اقامتِ صلوٰۃ کا ایک جزو ہے''۔

☆ چوتھی چیز اوقاتِ نماز کی پوری پوری پابندی ہے۔ فرمایا ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ﴾(الاسراء:۷۸) ''اور نماز قائم کرو سورج کے زوال کے وقت سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک اور صبح کے وقت کا قرآن پڑھنا''۔ اسی چیز کو دوسرے مقامات میں ''نمازوں کی نگرانی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ﴾(البقرۃ:۲۳۸)

☆ پانچویں چیز نماز پر قائم رہنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ دَآئِمُوۡنَ﴿۲۳﴾ ﴾(المعارج) ''وہ اپنی نمازوں پر برابر قائم رہتے ہیں۔''

☆ چھٹی چیز جمعہ و جماعت کا قیام و اہتمام ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جب اُمت یا امام کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تب تو واضح طور پر جمعہ و جماعت کا قیام و اہتمام ہی مدنظر ہوتا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ﴿اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ﴾(الحج:۴۱) ''اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔'' (تدبر قرآن' جلد اوّل' ص ۴۸)

اہل ایمان کی پانچویں اہم صفت یہ بیان فرمائی ''اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں''۔ یہاں انفاق کا لفظ عام ہے جو صدقاتِ واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہل ایمان حسبِ استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے بلکہ ماں باپ اور اہل و عیال پر صحیح طریقہ سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ (القرآن الکریم'

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

تفسیری حواشی از صلاح الدین یوسف)

رزق کا لفظ عربی زبان میں بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ہر قسم کی نعمتیں خواہ وہ ظاہری اور مادی ہوں' مثلاً مال واولاد' یا معنوی وروحانی ہوں' مثلاً علم وحکمت' سب شامل ہیں۔ لفظ ''یُنۡفِقُوۡنَ'' کا مادہ ''ن ف ق'' ہے اور یہ بابِ افعال (اَنۡفَقَ یُنۡفِقُ اِنۡفَاق) سے ہے جس کا مطلب ہے وہ صرف کرتے ہیں۔ دراصل نفق کے معنی سوراخ کے ہیں۔ گویا ربّ کریم کا فرمان ہے کہ جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے سوراخ کرتے ہیں' یعنی وہ ہماری عطا کردہ نعمتوں کو روک نہیں رکھتے بلکہ اسے اللہ کی رضا کے لیے اس کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ﴾ (البقرۃ:٢٦٧) ''اے ایمان والو! رزق حلال میں سے جو مال تم نے کمائے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو''۔ دوسری جگہ سچے مؤمنوں کی شان یہ بتائی کہ وہ پسندیدہ چیزیں خرچ کرتے ہیں: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾﴾ (آل عمران) ''تم اُس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے جب تک وہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں خود محبوب ہو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے''۔ پھر فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾﴾ (الفرقان) ''اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں' نہ بخل' بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا ہوتا ہے۔'' یہ بھی فرمایا: ﴿قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ﴾ (البقرۃ:٢١٥) ''ان سے کہیے جو بھی مال تم خرچ کرو وہ والدین' رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔'' (الفرقان' شیخ عمر فاروق)

حقیقی مؤمن کی یہ پانچ صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں' ان کے ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہیں' ان کی زبان اور ان کے دل کے درمیان کوئی تفاوت نہیں بلکہ مکمل رفاقت ہے۔ جو لوگ زبان سے توحید کا اقرار کریں اور حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا دم بھریں مگر ان کے اعمال ان کے اقوال کی تردید کرتے ہوں وہ حقیقی مؤمن نہیں۔ صاحب معارف القرآن اس آیت میں اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے' جب وہ حاصل نہ ہو تو حق حاصل نہیں ہوتا۔

سچے اور حقیقی مؤمن کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا:

''ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس بڑے درجے ہیں' قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے''۔

گویا ان سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا گیا۔ ایک درجاتِ عالیہ' دوسری مغفرت اور تیسرا عمدہ رزق۔ صاحب معارف القرآن نے تفسیر بحرمحیط کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اس سے پہلی آیات میں سچے مؤمنین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں: ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن کے ساتھ ہے' جیسے ایمان' خوفِ خدا' توکل علی اللہ۔ دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے' جیسے نماز وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا تعلق مال سے ہے' جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان تینوں قسموں کے بالمقابل تین انعاموں کا ذکر آیا ہے۔ درجاتِ عالیہ قلبی اور باطنی صفات کے مقابلہ میں اور مغفرت ان اعمال کے مقابلہ میں جو انسان کے ظاہر بدن سے متعلق ہیں' جیسے نماز' روزہ وغیرہ۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اور رزق کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بالمقابل آیا ہے کہ جو کچھ خرچ کیا اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ اس کو آخرت میں ملے گا''۔

۞ ۞ ۞

صحابہ کرامؓ اور عقیدۂ اہلِ اسلام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت واجب ہے

ابن عبدالحق الہندی ☆

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے زندگی گزارنے کا جو ضابطہ اور قانون وضع کیا ہے اسے ''دین اسلام'' کا نام دیا ہے۔اب دنیا و آخرت میں فلاح و سعادت اور رضائے الٰہی کا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ''دین اسلام'' کو مکمل طور پر اپنی زندگی میں جاری و ساری کر لیا جائے۔ جو شخص اسے چھوڑ کر کسی اور طرزِ حیات کو اپنائے گا اس کے حصے میں سوائے خسارے اور ناکامی کے کچھ نہ آئے گا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۸۵﴾ (آل عمران)

''اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔''

دین اسلام وحیٔ الٰہی پر مبنی ہے جو کہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہؐ کی شکل میں اُمت کے پاس موجود ہے۔

اسلام' اہلِ اسلام تک کیسے پہنچا؟

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ خدا کا یہ دین رسول اکرمﷺ کے وصال کے بعد اُمت تک کیسے پہنچا؟ اس کا جواب بلاتأمل یہی ہوگا کہ آپؐ کے ساتھیوں اور شاگردوں کے ذریعے' اس لیے کہ نبی مکرمﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نہ تو کسی کے لیے بلاواسطہ آپؐ سے دین اخذ کرنا ممکن ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ہی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ لوگوں سے براہِ راست ہم کلام ہوتا رہے یا انہیں ملائکہ کے ذریعے دین و شریعت کی تفصیلات عطا کرتا پھرے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ

☆ ایم اے' ایل ایل بی' فاضل علوم اسلامیہ' خطیب جامع مسجد طیب' لاہور

دینِ مبین اپنی تمام تر جزئیات سمیت' افرادِ اُمت کو رسول اکرمﷺ کے اصحاب و تلامذہ کے واسطے سے ملا ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت اور زہد و تقویٰ کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوں کہ ان اوصاف کے بغیر احکاماتِ خداوندی کے ابلاغ و تبلیغ جیسی بھاری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسی کھلی اور روشن حقیقت ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی ادنیٰ درجہ کی گنجائش بھی نہیں۔

اعداءِ ملت بھی اس مسلّمہ حقیقت سے پوری طرح آشنا ہیں' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کی براہِ راست تکذیب کے بجائے اس واسطے اور ذریعے کو مشکوک ٹھہرانے کی سعی کی جس سے تعلیماتِ شرع افرادِ اُمت کو منتقل ہوئی ہیں۔ پیروانِ محمد عربیﷺ پر بے شمار انعاماتِ خداوندی میں سے ایک خاص عنایت یہ ہوئی کہ ان کے سلف صالحین کو مبدأ فیض سے وہ نگاہِ بصیرت عطا ہوئی جس سے وہ ملت کے خلاف دشمنانِ دین کے ہر فریب اور چال کو فوراً بھانپ لیتے اور اہل اسلام کو اس سے باخبر کر دیتے۔ ناقلین شریعت اور اصحابِ پیغمبرؐ کے خلاف اُمت کے بدخواہوں کی سازش بھی ان کی نظر فراست سے پوشیدہ نہ رہی' چنانچہ انہوں نے بالکل آغاز ہی میں اس فتنے سے اہل اسلام کو آگاہ کر دیا۔

اصحابِ پیغمبرﷺ گواہانِ رسالت ہیں

امام ابوزرعہ رازیؒ نے فرمایا تھا کہ:

اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللّٰہﷺ فاعلم انہ زندیق' وذلک ان الرسول حق' والقرآن حق' وما جاء بہ حق' وانما ادّی الینا ذلک کلہ الصحابة ' وھؤلاء یریدون ان یجرحوا شھودنا' لیبطلوا الکتاب والسنة' والجرح بھم اولیٰ' وھم زنادقة(۱)

''جب تم کسی شخص کو اصحابِ رسول اللہﷺ کی تنقیص کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے' کیونکہ رسول معظمﷺ برحق ہیں' قرآن کریم برحق ہے اور جو دین نبی مکرمؐ لے کر آئے ہیں' وہ برحق ہے۔ اور یہ تمام چیزیں ہم تک صحابہ کرامؓ نے پہنچائی ہیں (لہٰذا صحابہؓ ہمارے لیے رسالت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے گواہ ہیں) اور یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کر کے کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں' اس لیے یہ خود لائق جرح اور زندیق ہیں۔''

علامہ عبدالرؤف المناویؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ناقل شریعت ہیں۔ ان کے مجروح ہونے سے اسلام ختم ہو جاتا ہے' کیونکہ:

لا وحی بعد المصطفیٰ ﷺ وعدالۃ المبلّغ شرط لصحۃ التبلیغ (۲)

''حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی وحی نہیں ہے۔ اور مبلغ کی عدالت، تبلیغ کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے''۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ دین پر اطمینان سے عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ لائق اعتماد ذریعے سے ملے۔ اب رسالت مآب ﷺ اور بعد کے لوگوں کے مابین سب سے پہلا واسطہ حضراتِ صحابہ کرامؓ ہیں۔ اگر وہی لائق اعتماد نہیں تو امورِ دین وشریعت میں سے کوئی شے بھی قابل بھروسہ نہیں رہتی، لہٰذا اصحابِ محمد ﷺ کو نشانۂ جرح وتنقیص بنانا شریعتِ محمدؐ کو مجروح اور ناقابل اعتبار قرار دینے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن کریم اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں ہے اور اس میں بہت کچھ تغیر وتبدل واقع ہو چکا ہے اور سنت رسولؐ تو قطعی قابل اعتماد نہیں کہ وہ بھی انہی اصحابِ رسولؐ سے منقول ہے جنہیں یہ لوگ لائق بھروسہ ہی نہیں گردانتے!! لیکن معروضاتِ بالا کی روشنی میں اس نقطۂ نظر کی لغویت بالکل واضح ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں صحابہؓ جیسا ایمان ہی مقبول ہے

رسول اکرم ﷺ کے ساتھیوں کے باب میں ایک اور پہلو بھی توجہ کا طالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے انسانوں کو اپنے مطالبات اور تقاضوں سے آگاہ فرما دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے اقوال وافعال اور تقریرات سے ان کی تبیین وتوضیح بھی فرما دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنت رسولؐ پر مبنی دین مبین کے حوالے سے ایک انسان کا جو اعتقادی وعملی رویہ اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے کیا امر واقعہ میں اس کی کوئی ایسی مثال موجود ہے جسے تائیدِ خداوندی کی سند حاصل ہو؟ مطالعۂ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ ہستیاں وہ روشن مثال ہیں جن کے شیوۂ تسلیم ورضا کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل ہے۔ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کا ایمان اس قدر اعلیٰ واکمل تھا کہ باری تعالیٰ نے بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے لیے اسے ایک کسوٹی قرار دے دیا۔ اب جو بھی بارگاہِ الٰہی سے مؤمن ہونے کی سند لینا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس طریقے سے ایمان لائے جیسے رسول معظم ﷺ کے معزز ساتھی ایمان لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۳۷)☆

☆ آیت کا پس منظر ایک خاص تناظر رکھتا ہے، لیکن ''**العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**'' کے تحت آیت کا مفہوم عام ہے۔

’’(اے پیغمبرؐ کے صحابیو!) اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو وہ راہ یاب ہوئے‘ اور اگر وہ اعراض کریں تو پھر وہ درپے مخالفت ہیں۔‘‘

سطورِ بالا سے دو باتیں بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہیں:

ایک یہ کہ خدائی ہدایت و رہنمائی (دین اسلام) کے اوّلین ناقل اور مبلغ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

دوسری یہ کہ اللہ کی شریعت کو اس کی رضامندی کے مطابق ٹھیک ٹھیک اصحابِ پیغمبرؐ ہی نے اپنایا تھا‘ جس کی گواہی خود باری تعالیٰ نے دی ہے۔

ان دونوں باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت اور مقام و مرتبہ دیگر لوگوں سے ممتاز و منفرد ہو۔ تعلیماتِ شریعت سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے اور قرآن و سنت کی نصوص میں اصحابِ رسولؐ کے بعد آنے والے لوگوں کو اِن نفوسِ قدسیہ کے لیے خاص ہدایات دی گئی ہیں جو اہل اسلام کے عقیدہ کا جزوِلاینفک ہیں۔ ذیل میں انہی کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔

موضوع کی اہمیت و ضرورت

دین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آئینی حیثیت اس امر کی متقاضی ہے کہ انہیں اپنا محسن گردانتے ہوئے ان سے خصوصی عقیدت و محبت کا اظہار کیا جائے اور ان کی تعظیم و تکریم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی شان میں ادنیٰ بے ادبی سے بھی اجتناب کیا جائے۔ نیز ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھا جائے اور کسی قسم کی بدگمانی کو قلب و ذہن میں جگہ نہ دی جائے۔ لیکن بعض معاندین کا طرزِ عمل انتہائی افسوسناک اور تکلیف دہ ہے کہ وہ ان مقدس ہستیوں کی شان میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں‘ حتیٰ کہ انہیں (نعوذ باللہ) نفاق اور کفر و ارتداد کا مرتکب جانتے ہیں اور پھر اپنے ان نظریات کا کھلے بندوں پرچار بھی کرتے ہیں‘ جس سے ایک طرف تو پورا دین ہی مشکوک قرار پاتا ہے اور دشمنانِ اسلام کو اسلام کے خلاف شکوک و شبہات ابھارنے کا موقع ملتا ہے کہ جب یہی لوگ‘ معاذ اللہ‘ خائن و بددیانت ہیں تو اس دین کی استنادی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

دوسری جانب اس سے وہ افراد بھی بے چین و مضطرب ہو جاتے ہیں جو نبی مکرم ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں سے محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہیں اور ان کے ممنونِ احسان ہیں کہ انہوں نے ہم تک خدا کا دین پہنچانے کے لیے کس قدر مصائب و مشکلات جھیلے‘ لیکن ان کے پایۂ استقامت میں ہلکی سی لغزش بھی نہ آئی۔

بنا بریں وقت کا تقاضا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف معاندوں اور بدخواہوں کی لغو

طرازیوں اور زہرافشانیوں کا مؤثر جواب دیا جائے تاکہ ناپختہ ذہن ان سے متأثر ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوءِظن کا شکار نہ ہوں' اور وہ لوگ جو اس سعیٔ نامشکور میں مشغول ہیں وہ بھی قرآن وسنت کی ان صریح نصوص سے باخبر ہو جائیں جن میں ان نفوسِ قدسیہ کے باب میں اہل ایمان کا مطلوب رویہ بیان کیا گیا ہے:

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال:٤٢)

''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حجت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔''

یہاں اس امر کی جانب اشارہ بھی مناسب ہوگا کہ زیرنظر تحریر کا اصل مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آئینی و قانونی حیثیت کو اُجاگر کرنا ہے۔ اس لیے اس میں اصحابِ رسولؐ کے فضائل ومناقب سے صرفِ نظر کیا جا رہا ہے جو اپنی جگہ ایک اہم اور مستقل موضوع ہے' کیونکہ ایک تو عوام منبر و محراب سے علماء کی زبانی اس بارے میں اکثر و بیشتر سنتے ہی رہتے ہیں' دوسرے اس سے متعلق مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات میں وقتاً فوقتاً مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آئینی مقام کے حوالے سے اردو زبان میں مواد نسبتاً کم اور عامۃ الناس کی رسائی سے دُور ہے۔

صحابیؓ کسے کہتے ہیں؟

اصل موضوع پر گفتگو سے قبل مناسب ہوگا کہ ''صحابی'' کے معنی ومفہوم کی وضاحت کر دی جائے۔ لغت کی رو سے لفظ صحابی کا مادہ ''صحب'' ہے جس کے معنی ساتھ رہنے' ساتھ لگنے اور ہمراہ ہونے کے ہیں۔ (القاموس الوحید)

جہاں تک اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو مختلف اہل علم نے متنوع اسالیب میں صحابیؓ کی تعریف کی ہے۔ ان کے الفاظ میں اختلاف ہے لیکن مفہوم سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ صحابیؓ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

من صحب النبی ﷺ او رآہ من المسلمین فھو من اصحابہ[٣]

''مسلمانوں میں سے جو شخص نبی ﷺ کے ساتھ رہا یا آپؐ کی زیارت کی' وہ آپؐ کے اصحاب میں شامل ہے''۔

بعض لوگ صحابی ہونے کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس نے طویل عرصہ آپؐ کے ساتھ گزارا ہو' لیکن یہ بات درست نہیں۔ امام بخاریؒ کے استاذ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں:

من صحب النبی ﷺ او رآہ ولو ساعۃ من نھار فھو من اصحاب النبی ﷺ[٤]

''جس نے رسول اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ ؐ کو دیکھا' خواہ دن کا قلیل عرصہ ہی کیوں نہ ہو' تو وہ اصحابِ پیغمبرؐ میں شمار ہوگا۔''

صحابی کی اور بھی کئی تعریفیں کی گئی ہیں' لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ کے مطابق سب سے مشہور اور جامع و مانع تعریف یہ ہے کہ صحابیؓ وہ ہے:

من لقی النبی ﷺ مؤمنا به و مات علی الاسلام(٥)

''جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے آپ ؐ سے ملا ہو اور اس کی وفات حالتِ اسلام پر ہوئی ہو''۔

اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا وجوب' نصوصِ شریعت کی روشنی میں

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنا' ان کی تعظیم و توقیر اور عزت و تکریم کو ملحوظ رکھنا' ان کے اجماع کو حجت شرعی جاننا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں شامل ہے۔ اہل سنت کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کے نیک طینت ساتھیوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی اپنے دل میں بغض وعناد رکھنا حرام اور کم نصیبی کی علامت ہے۔ اس لیے کہ انہی پاکباز ہستیوں کو تو خداوندِ قدوس نے اپنے رسولِ مکرم ﷺ کی معیت کے لیے منتخب فرمایا اور پھر انہوں نے رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ یہی وہ جاں نثار ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر سرورِ کائنات ﷺ کی تائید و نصرت کی اور دین الٰہی کی ترویج و اشاعت میں اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ اس کارِ عظیم میں انہوں نے نہ تو مشرکوں کی ایذا رسانیوں کی کوئی پرواہ کی اور نہ منافقوں کی ریشہ دوانیاں ہی انہیں متزلزل کر سکیں۔ یہی اصحابِ رسول ؐ ہی وہ اطاعت گزار ہیں کہ حسب منشائے ربانی اپنے اموال و اوطان کو چھوڑ چھاڑ کر یثرب کی طرف ہجرت کر گئے اور انہیں ادنیٰ سا تأمل بھی نہ ہوا۔ الغرض انہوں نے ہر شے پر اللہ و رسول ؐ کی محبت کو مقدم رکھا۔ پھر یہی وہ باہمت اور پرعزم لوگ تھے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد تبلیغ و جہاد سے اسلام کی دعوت اطراف و اکنافِ عالم میں عام کر دی اور پوری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا۔ لہٰذا ان کا دیگر افرادِ اُمت پر یہ حق ہے کہ وہ ان سے قلبی محبت رکھیں اور ان کے لیے خدا کی جناب میں رحمت و بخشش کی دعا کرتے رہیں۔

اس سلسلے میں قرآن وسنت کی کئی نصوص موجود ہیں' جن سے حُبِّ صحابہؓ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ

﴿وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾ (الحشر)

''اور جو اُن کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہم کو بھی بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے ربّ! بے شک تو نہایت شفیق ومہربان ہے۔''

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ سے اہل علم نے دو باتیں اخذ کی ہیں:

ایک یہ کہ اصحابِ رسولؐ کے لیے بخشش کی دعا کرنا بھی ایک مسلمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حق ہے۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا ہر مسلم پر واجب ہے۔

پہلے نکتے کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ سر دست دوسرے کی تائید میں جلیل القدر مفسر قرآن امام قرطبیؒ کی تفسیر کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

هذه الآية دليل على وجوب محبة الصحابة لانه جعل لمن بعدهم خطأ فى الفئ ما اقاموا على محبتهم وموالتهم والاستغفار لهم' وان من سبّهم او واحدًا منهم او اعتقد فيه شرًّا انه لا حقّ له فى الفئ' روى ذلك عن مالكٍ وغيره' قال مالك : من كان يبغض احدًا من اصحاب محمد ﷺ او كان فى قلبه عليهم غلّ فليس له حقّ فى فئ المسلمين' ثم قرأ ﴿وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ......﴾ (٦)

''یہ آیت صحابہ کرامؓ سے محبت کے وجوب پر دلالت کناں ہے' کیونکہ باری تعالیٰ نے ان کے بعد آنے والوں کو مالِ فے ☆ میں اسی صورت میں حصہ دار ٹھہرایا ہے جب وہ ان (صحابہؓ) سے محبت اور قلبی تعلق رکھتے ہوں اور ان کے لیے استغفار (دعائے بخشش) کرتے ہوں۔ اور جو ان سب کو یا ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا کہتا ہے یا ان کے بارے میں سوءِ اعتقاد رکھتا ہے تو اس کا مالِ فے میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ بات امام مالکؒ اور دیگر اہل علم سے مروی ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ جو شخص اصحاب محمد ﷺ میں سے کسی ایک سے متعلق بھی بغض وعناد رکھتا ہے یا اس کے دل میں ان کے لیے حسد وکینہ چھپا ہوا ہے تو اس کا مسلمانوں کے مالِ فے میں کوئی حق نہیں۔ پھر بطورِ دلیل امام صاحبؒ نے یہی آیت پڑھی''۔

دوسری دلیل: سیدنا عبداللہ بن مغفل المزنیؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ مالِ فے سے مراد وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے بغیر لڑائی کے حاصل ہو۔ سورۃ الحشر کی مذکورہ آیت میں بھی مالِ فے کے مختلف مستحقین میں سے ایک کا ذکر ہے۔ (مضمون نگار)

((اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ' اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ' لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ'فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ ' وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ' وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ' وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰہَ' وَمَنْ آذَی اللّٰہَ یُوْشِکُ اَنْ یَاْخُذَہٗ))[7]

''اللہ سے ڈرو' اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملے میں۔ اللہ سے ڈرو' اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملے میں۔ میرے بعد اُن کو نشانہ (طعن وتشنیع) نہ بناؤ' کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی' اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی' اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو خدا کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ خدائے جبار وقہار اسے عذاب میں پکڑ لے''۔

نبی مکرمﷺ کے اس فرمان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے لوگوں کے لیے ترغیب ہے کہ وہ ان کا حق پہچانیں' ان کی توقیر وتعظیم کریں اور ان کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی وگستاخی نہ کریں جس سے ان کا استخفاف ہوتا ہو۔ نشانہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ قبیح اور بے ہودہ باتیں ان سے منسوب کی جائیں اور ان کا ذکر برے طریقے سے کیا جائے۔ جیسے کسی شے کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کی جاتی ہے اس طرح اپنی زبان کے چرکوں سے انہیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

رسولِ معظمﷺ نے اپنے اس ارشادِ گرامی میں اس امر کی بھی وضاحت فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت انسان کے دل میں اسی صورت میں جاگزیں ہوتی ہے جب رسول اکرمﷺ کی محبت بھی دل میں موجود ہو' کیونکہ حبِ صحابہؓ کا اصل سبب نبی مکرمﷺ سے محبت ہی ہے۔ یا اس سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ نبی کریمﷺ ان سے محبت رکھتے ہیں اس لیے اہل ایمان کو بھی ان سے محبت کرنی چاہیے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعناد کی اصل وجہ بھی یہی ہوسکتی ہے کہ کسی بدبخت کے دل میں آپﷺ سے نفرت پائی جاتی ہو۔ حدیث مبارکہ کا آخری جملہ سخت وعید پر مشتمل ہے کہ **یوشک ان یاخذہ**[8] یعنی خدا تعالیٰ اصحابِ پیغمبرؐ سے کینہ رکھنے والوں کو دنیا وآخرت میں سزا دے گا۔

تیسری دلیل: امام بخاری اپنی 'الصحیح' میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول معظمﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَآیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ))[9]

''ایمان کی نشانی انصار سے محبت کرنا ہے اور نفاق کی علامت انصار کا بغض ہے''۔

صاحبِ فیض القدیر نے اس حدیث کی شرح میں بڑی نفیس گفتگو کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''انسان کے کمالِ ایمان یانفسِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ وہ اوس وخزرج کے اہل ایمان سے محبت رکھتا ہو' کیونکہ انہوں نے اپنا وہ عہد بحسن وخوبی پورا کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا کہ وہ رسول اکرمﷺ کو پناہ دیں گے اور خوف وخطر اور ضعف وکمزوری کے حالات میں بھی ان کی نصرت کریں گے۔ان کا سلوک نبی اکرمﷺ سے بہت اچھا تھا' وہ صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور ان کی محبت خلوص واخلاص پر مبنی تھی۔لیکن اس سے ان کی مہاجرین پر ترجیح ثابت نہیں ہوتی جنہوں نے رسول اکرمﷺ کی محبت وخوشنودی کی خاطر اپنے گھر بار اور اہل وعیال کو چھوڑ دیا اور اپنے اموال سے محروم ہو گئے۔حدیث میں **آية النفاق بغض الانصار** تاکید کے لیے ہے۔آپؐ نے یہاں کفر کا ذکر نہیں فرمایا جو ایمان کی ضد ہے' کیونکہ انصار سے بغض وعناد رکھنے والے ظاہری طور پر مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے۔تو آپؐ نے حقیقی اہل ایمان سے انہیں ممتاز کرنے کے لیے نفاق کا ذکر فرمایا۔اس عظیم منقبت میں انصار کو خاص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے فضائل کی بنا پر ممتاز حیثیت کے حامل تھے اور یہ امر حسد کا سبب بن سکتا تھا۔لہٰذا اس حدیث میں ان سے محبت کی ترغیب اور ان سے نفرت کی ترہیب ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے آخر میں ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے کہ مبتدأ اور خبر دونوں معرفہ میں ہیں جس سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے'یعنی **لا علامة للایمان الا حبهم ولیس حبهم الا علامته' ولا علامة للنفاق الا بغضهم ولیس بغضهم الا علامته** ''محبت انصارؓ کے سوا ایمان کی کوئی علامت نہیں اور ان کی محبت محض ایمان ہی کی دلیل ہے۔اسی طرح نفاق کی کوئی علامت نہیں سوائے انصارؓ کے بغض کے اور ان سے بغض صرف اور صرف نفاق ہی کی شکل ہے''۔یہ ان کی فضیلت عظیمہ کی تشہیر اور ان کے افعال کریمہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے۔اگرچہ جو بھی اس پہلو سے انصار کے ساتھ شریک ہوگا وہ عظمت وفضیلت میں بھی ان کا ساجھی ہوگا''۔(۱۰)

چوتھی دلیل : امام بخاری وامام مسلم رحمہا اللہ نے سیدنا براء بن عازبؓ سے انصار کے بارے میں نبی مکرمﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

((اَلْاَنْصَارُ لَا یُحِبُّھُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُھُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ' فَمَنْ اَحَبَّھُمْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ)) (۱۱)

''انصار سے مؤمن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا۔جو اُن سے محبت کرے اللہ اسے محبوب بنالے اور جو اُن سے بغض رکھے وہ اللہ کے ہاں مبغوض ہو۔''

پانچویں دلیل : سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول معظمﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ))(۱۲)

''وہ شخص انصار سے کینہ نہیں رکھ سکتا جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے''۔

چھٹی دلیل : امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ سیدنا ابوہریرہؓ سے رسول اکرمﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں کہ:

((مَنْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ اَحَبَّہُ اللّٰہُ ' وَمَنْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ))(۱۳)

''جو انصار سے محبت کرتا ہے خدا اس سے محبت فرماتا ہے اور جو انصار سے بغض رکھتا ہے خدا اس سے بغض رکھتا ہے۔''

ساتویں دلیل : سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ سرورِ کائناتﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ' وَمَنْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ))(۱۴)

''جس نے انصار سے محبت کی تو اس نے میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی' اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا''۔

آٹھویں دلیل : سیدنا سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:

((اِنَّ ھٰذَا الْحَیَّ مِنَ الْاَنْصَارِ مِحْنَۃٌ حُبُّھُمْ اِیْمَانٌ وَبُغْضُھُمْ نِفَاقٌ))(۱۵)

''انصار کا گروہ (لوگوں کے ایمان کے لیے باعث) امتحان و آزمائش ہے' ان کی محبت ایمان اور ان سے نفرت نفاق ہے۔''

نویں دلیل : سیدنا براء بن عازبؓ راوی ہیں کہ آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یُحِبُّ الْاَنْصَارَ اِلَّا مُؤْمِنٌ ' وَلَا یُبْغِضُھُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ' مَنْ اَحَبَّھُمْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ))(۱۶)

''انصار سے وہی محبت کرے گا جو مؤمن ہو اور منافق کے سوا کوئی ان سے بغض نہ رکھے گا۔ جس نے ان سے محبت کی خدا اس سے محبت فرمائے گا اور جس نے ان سے عناد رکھا وہ خدا کے ہاں قابل نفرت قرار پائے گا۔''

دسویں دلیل : سیدنا حارث بن زیاد الساعدیؓ کہتے ہیں کہ وہ خندق کے روز اپنے چچازاد کے ساتھ رسول اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ اس وقت لوگوں سے ہجرت کی بیعت لے رہے تھے۔ سیدنا حارث کہنے لگے: یارسول اللہ! اس سے بھی بیعت لیجیے۔ آپؐ نے پوچھا: ((وَمَنْ ھٰذَا؟)) ''یہ کون ہے؟'' عرض کیا: ابن عمی حوط بن یزید بن یزید بن حوط ''یہ میرا چچازاد حوط بن یزید بن یزید بن حوط ہے''۔ رسول معظمﷺ نے فرمایا:

((لَا اُبَایِعُکَ' اِنَّ النَّاسَ یُھَاجِرُوْنَ اِلَیْکُمْ وَلَا تُھَاجِرُوْنَ اِلَیْھِمْ' وَالَّذِیْ نَفْسُ

مُحَمَّدٍ ﷺ بِیَدِہٖ لَا یُحِبُّ رَجُلٌ الْاَنْصَارَ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِلَّا لَقِیَ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَھُوَ یُحِبُّہٗ، وَلَا یُبْغِضُ رَجُلٌ الْاَنْصَارَ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِلَّا لَقِیَ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَھُوَ یُبْغِضُہٗ))(۱۷)

''میں تجھ سے بیعت نہ کروں گا۔ بے شبہ لوگ تمہاری طرف ہجرت کرتے ہیں اور تم ان کی طرف ہجرت نہیں کرتے۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدﷺ کی جان ہے! جو شخص بھی انصار سے محبت رکھتا ہے وہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو باری تعالیٰ اس سے اس حال میں ملے گا کہ اس سے محبت رکھتا ہوگا، اور جو شخص انصار سے نفرت اور بغض وعناد رکھتا ہے وہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس شخص سے نفرت کرتا ہوگا۔''

گیارھویں دلیل: امام مسلم بن حجاج القشیریؒ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول روایت کرتے ہیں:

وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَأَ النَّسَمَۃَ، اِنَّہٗ لَعَھْدُ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ﷺ اِلَیَّ اَنْ لَّا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ(۱۸)

''قسم ہے اُس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور جس نے جانداروں کو پیدا کیا! رسول اکرمﷺ کا مجھ سے عہد ہے کہ مجھ سے مؤمن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے بغض منافق ہی رکھے گا۔''

☆ نتیجہ: مندرجہ بالا شرعی نصوص سے ثابت ہوا کہ اصحابِ پیغمبرؐ سے محبت کرنا ہر صاحب ایمان پر لازم ہے اور ان کی محبت ہی ایمان ونفاق میں حدفاصل ہے۔ گویا جو درجۂ ایمان پر فائز ہونا چاہتا ہے اسے اپنے دل میں اصحابِ رسولؐ کی محبت کو راسخ کرنا ہوگا، ورنہ نفاق کا روگ ہی اس کے حصے میں آئے گا اور ایمان وایقان کی دولت سے وہ کم نصیب محروم ہی رہے گا۔ **اعاذنا اللّٰہ منہ!**

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اوپر بیان کردہ احادیث میں خصوصیت سے انصارؓ کا ذکر ہے تو کیا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں داخل نہیں؟ علمائے اُمت نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس حکم میں شامل ہیں، کیونکہ جس علت کی بنا پر انصارؓ سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تمام صحابہؓ میں موجود ہے، یعنی نصرت رسولؐ اور اشاعتِ اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور اس باب میں کسی قسم کے نقصان یا مخالفت کی پرواہ نہ کرنا۔

ائمہ کرامؒ کی آراء: ذیل میں بعض ائمہ کرام کی توضیحات نقل کی جارہی ہیں جن سے مندرجہ بالا

احادیث کے مفہوم کی وضاحت کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی نکھر کر سامنے آ جائے گا۔

▼ صحیح مسلم کی شرح ''**فتح المنعم**'' میں ہے کہ:

...... ان السر فی ھذا التخصیص ھو خوف الرسول ﷺ من ان ینسی الناس بعدہ فضل الانصار وخصوصًا بعد ان یحظی المھاجرون بالخلافۃ' وبعد ان تأخذ قریش مرکزھا فی الاسلام (۱۹)

''انصار کو خاص کرنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ آپؐ کے بعد لوگ انصارؓ کا مقام و مرتبہ اور فضیلت فراموش کر دیں گے' خصوصاً مہاجرین کے منصب خلافت پر فائز ہونے اور اسلام میں اپنی مرکزی حیثیت قائم ہونے کے بعد (لوگوں کی توجہ انصار سے ہٹ جائے گی)''۔

▼ امام ابوعبداللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی الابی المالکی صحیح مسلم کی شرح **اکمال اکمال المعلم** میں لکھتے ہیں:

فان قلتَ : والمھاجرون ایضًا لھم ھذہ الحیثیۃ فلم خصّ الانصار؟ قلتُ : قد جاء ما یشیر الی انھم مثلھم وھو قولہ فی حدیث البزار فی کل الصحابۃ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ او یقال انما خصّھم لانّ المنافقین کانوا یتربصون بالمؤمنین الدوائر ویرون ان الحامی لھم منھا انما ھم الانصار لمنعتھم ودارھم فکانوا یبغضونھم لذلک فجعل ﷺ ذلک آیۃ المنافق

''اگر تم کہو کہ مہاجرین کو بھی تو یہ حیثیت حاصل ہے (جو انصار کی ہے) تو پھر انصار کی تخصیص کیوں؟ میں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث بھی موجود ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ (مہاجرین) بھی انہی کی مثل ہیں اور وہ بزار میں تمام اصحابؓ کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ایسا کیا۔ یا پھر ان کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ منافقین اہل ایمان کے لیے برے وقت کے منتظر و متمنی رہتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ برے وقت میں انصار ہی اپنی عزت و قوت اور قوم و قبیلے کی مدد سے مؤمنوں کی حفاظت و حمایت میں سرگرم ہوتے ہیں' چنانچہ منافق انصار سے کینہ و نفرت رکھتے تھے اسی لیے نبی مکرم ﷺ نے اس شے کو منافق کی نشانی قرار دیا۔''

امام ابوعبداللہ محمد بن محمد السنوسی الحسینیؒ نے بھی **مکمل اکمال الاکمال** میں یہی لکھا ہے۔ (۲۰)

▼ حدیث مبارکہ آیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ کی شرح میں امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبیؒ رقم طراز ہیں کہ:

الآية : العلامة والدلالة' وقد تكون ظنّية ' وقد تكون قطعيّة' وحبّ الانصار من حيث كانوا انصار الدّين ومظهريه' وباذلين اموالهم وانفسهم فى اعزازه واعزاز نبيّه واعلاءِ كلمته' دلالة قاطعة على صحة ايمان من كان كذلك' وصحة محبته للنبى ﷺ' وبغضهم كذلک' دلالة قاطعة وعلى النفاق' وكذلک القول فى حُبّ علىّ وبغضه(۲۱)

''آیت کے معنی علامت اور دلالت کے ہیں۔ یہ کبھی ظنی ہوتی ہے اور کبھی قطعی۔ جو شخص انصارؓ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ دین کے مددگار اور اسے غالب کرنے والے تھے' اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی تائید وتقویت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اپنے مال و جان لٹانے والے تھے' تو اس کی یہ محبت اس کے ایمان اور نبی اکرم ﷺ سے سچی محبت کی قطعی دلیل شمار ہو گی۔ اسی طرح ان سے بغض و عناد نفاق کی حتمی دلیل سمجھا جائے گا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان سے کینہ رکھنے کا بھی یہی حکم ہوگا''۔

▼ انصار کی محبت کو علامتِ ایمان اور ان کے بغض کو علامتِ نفاق قرار دینے کی علت بیان کرتے ہوئے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

وما ذاک الا سابقتهم ومجاهدتهم اعداء اللّٰه بين يدى رسول اللّٰه ﷺ' وكذلک حُبّ علىّ رضى اللّٰه عنه من الايمان وبغضه من النفاق' وانما يعرف فضائل الصحابة من تدبّر احوالهم وسيرهم وآثارهم فى حياة رسول اللّٰه ﷺ وبعد موته من المسابقة الى الايمان' والمجاهدة للكفار ونشر الدِّين واظهار شعائر الاسلام واعلاء كلمة اللّٰه ورسوله وتعليم فرائضه وسننه ولو لا هم ما وصل الينا من الدِّين اصل ولا فرع ولا علمنا من الفرائض والسنن سُنّةً ولا فرضًا' ولا علمنا من الاحاديث والاخبار شيئًا(۲۲)

''یہ محض اس لیے کہ صحابہ کرامؓ رسول اکرم ﷺ کے سامنے بڑھ چڑھ کر دشمنانِ خدا سے جہاد کرتے تھے۔ اسی طرح سیدنا علیؓ کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے۔ صحابہ کرامؓ کے فضائل وہی جان سکتا ہے جو رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان کے احوال و آثار اور سیرتوں میں غور وفکر کرے گا کہ وہ کس طرح ایمان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوششیں کرتے تھے اور اہل کفر سے جہاد' دین کی نشر واشاعت' شعائر کے غلبہ' خدا اور رسول ﷺ کے کلمہ کی بلندی اور فرائض وسنن کی تعلیم میں مسابقت کا

مظاہرہ کرتے تھے۔ اگر اصحابِ پیغمبرؐ نہ ہوتے تو ہم تک دین کی کوئی اصل پہنچتی اور نہ فرع‘ ہمیں فرائض میں سے کسی فرض کا علم ہوتا اور نہ سُنن میں سے کسی سنت کا۔ اور ہم احادیث و اخبار سے بھی قطعی بے خبر اور لاعلم ہوتے‘‘۔

▼ علامہ العینیؒ نبی اکرمﷺ کے فرمان ’آیة الایمان حب الانصار وآیة النفاق بغض الانصار‘ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

المقصود من الحدیث الحث علی حبّ الانصار وبیان فضلھم‘ لما کان مھم من اعزاز الدین وھذل الاموال والانفس‘ والایثار علی انفسھم والابواء والنصر وغیر ذلک‘ قالوا: وھذا جار فی اعیان الصحابة کالخلفاء وبقیة العشرة والمھاجرین بل فی کل الصحابة اذ کل واحد منھم له سابقة وسالغة وعناء فی الدین واثر حسن فیه‘ فحبھم لذلک المعنی محض الایمان وبغضھم محض النفاق ویدل علیه ماروی مرفوعًا فی فضل اصحابه کُلّھم :

مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبَغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ (۲۳)

’’مذکورہ حدیث مبارکہ سے انصار سے محبت کی ترغیب اور ان کی فضیلت کا بیان مقصود ہے‘ کیونکہ وہ دین کی قوت و مضبوطی کا باعث تھے‘ انہوں نے اس کی خاطر اپنے مال اور جانیں نچھاور کی تھیں۔ وہ دیگر اہل ایمان کے لیے ایثار کا مظاہرہ کرتے‘ انہیں پناہ دیتے اور ان کی تائید و نصرت میں پیش پیش رہتے تھے۔ اہل علم نے کہا ہے کہ سربرآوردہ اور بڑے بڑے صحابہؓ مثلاً خلفائے راشدین‘ دیگر عشرہ مبشرہ میں سے دیگر صحابہ اور مہاجرین بلکہ تمام اصحابِ رسولﷺ کا بھی یہی معاملہ ہے (یعنی ان سے محبت ایمان اور بغض نفاق ہے)‘ کیونکہ ان میں سے ہر ایک امورِ خیر میں سبقت لے جانے والا‘ دین میں سخاوت وغنا کا مظاہرہ کرنے والا اور اچھی سنت باقیہ چھوڑ کر جانے والا ہے۔ لہٰذا اس پہلو سے حبِّ صحابہؓ عین ایمان اور ان کا بغض خالص نفاق ہے۔ یہی مفہوم اس مرفوع روایت سے ثابت ہوتا ہے جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں مروی ہے کہ ’’جس نے ان سے محبت کی تو میری وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض وعناد رکھا تو مجھ سے کینہ کی بنا پر رکھا‘‘۔

کبار ائمہ دین کے مندرجہ بالا اقوال وارشادات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قلبی تعلق رکھنا دین میں مطلوب ہے اور دراصل محبتِ رسولﷺ ہی کی دلیل ہے‘ اور جو حرماں نصیب اصحابِ پیغمبرؐ سے حقد وعداوت رکھتا ہے وہ درحقیقت رسول معظمﷺ سے بغض کا شکار ہے۔ **اعاذنا الله منه۔** اللہ جل شانہ کا طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ اہل السنة

والجماعۃ پر خصوصی فضل واحسان ہے کہ یہ گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسی طرح محبت کا دم بھرتا ہے جس طرح خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ومنشا ہے۔

شیخین رضی اللہ عنہما کی محبت عظیم فریضہ ہے

ہمارے قدیم دینی ادب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ سلف صالحینؒ قرآن وسنت کی صریح تعلیمات کے پیشِ نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کو عموماً اور حبِ شیخین رضی اللہ عنہما کو خصوصاً فرائض و واجبات میں شمار کرتے تھے‘ جیسا کہ اقوالِ ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

- عظیم تابعی سیدنا حسن بصریؒ سے پوچھا گیا: **حب ابی بکر و عمر رضی الله عنهما سنة؟** ’’کیا سیدنا ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت سنت ہے؟‘‘ آپؒ نے جواب دیا: **لا‘ فریضة** (٢٤) ’’نہیں‘ بلکہ فرض ہے‘‘۔

- امام دار الہجرت مالک بن انسؒ فرماتے ہیں:

كان السّلف يُعلِّمون اولادهم حُبّ ابى بكر و عمر ‘ كما يُعلِّمون السُّورة من القرآن (٢٥)

’’سلف صالحین اپنی اولادوں کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی محبت یوں سکھاتے تھے جیسے وہ قرآن کی کسی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے‘‘۔

- اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باب میں ایک مسلمان کا اعتقاد کیا ہونا چاہیے‘ اس کا بہترین جواب امام ابوجعفر الطحاویؒ نے یوں دیا ہے:

ونحب اصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط فى حُبِّ احد منهم ولا نتبرأ من احد منهم ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم‘ ولا نذكرهم الا بخير‘ وحُبّهم دين و ايمان واحسان‘ وبغضهم كفر و نفاق وطغيان (٢٦)

’’ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کی محبت میں غلو کا مظاہرہ نہیں کرتے اور نہ ہی کسی سے اظہارِ بے زاری کرتے ہیں۔ ہم ان لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جو صحابہ کرامؓ سے بغض رکھتے یا ان کا ذکر برے انداز میں کرتے ہیں۔ ہم صحابہؓ کا ذکر صرف بھلائی اور خیر ہی کے پہلو سے کرتے ہیں۔ صحابہؓ کی محبت دین‘ ایمان اور احسان ہے‘ جبکہ ان سے بغض کفر ونفاق اور سرکشی ہے‘‘۔

یہاں یہ پہلو بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت تو شرعاً مطلوب ہے لیکن اس سلسلے میں کسی قسم کے غلو کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ وہ فکر وعمل میں اعتدال وتوازن کی روش پر گامزن رہتے ہیں۔ وہ کسی معاملے میں نہ تو حد سے

بڑھتے ہیں اور نہ تقصیر وکوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اصحابِ رسولؐ کے بارے میں بھی ان کا یہی طریق کار ہے' جیسا کہ امام طحاویؒ کے مذکورہ بالا اقتباس میں گزرا۔

▼ اس کی توضیح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ:

ویتبرؤون من طریقة الروافض الذین یبغضون الصحابة ویسبّونھم' وطریقة النواصب الذین یؤذون اھل البیت بقول اوعمل (۲۷)

''اہل السنۃ والجماعۃ رافضیوں کے طریق کار سے اظہارِ براءت کرتے ہیں جو کہ صحابہ کرامؓ سے بغض رکھتے اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ ناصبیوں کے طرزِ عمل سے بھی بری ہیں جو اپنے قول وعمل سے اہل بیتؓ کو تکلیف پہنچاتے ہیں''۔

یعنی گروہِ روافض نے سیدنا علیؓ اور اہل بیت کی محبت میں تو اتنا غلو کیا کہ انہیں مرتبۂ الوہیت پر فائز کر ڈالا' لیکن دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بے ادبی وگستاخی کا رویہ اپنایا۔ ان کے ردِّ عمل میں بعض بدبختوں نے اہل بیتؓ سے عناد وکینہ اور بغض ونصرت کی روش اپنائی' جس سے اہل بیتؓ کو اذیت پہنچی' انہیں ناصبی کہا جاتا ہے ☆۔ یہ دونوں گروہ راہِ حق سے ہٹے ہوئے اور جادۂ مستقیم سے منحرف ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذلک! ان کے برعکس اہل سنت کو خدا تعالیٰ نے نعمت ہدایت سے نوازا' لہٰذا وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دلی محبت اور قلبی عقیدت رکھتے ہیں' سب کا اکرام واحترام لازم سمجھتے ہیں اور ہر ایک کی عزت وتوقیر کو جزوِ ایمان گردانتے ہیں۔

لہٰذا جو شخص اپنے دین وایمان کی سلامتی کا خواہاں ہے اسے چاہیے کہ وہ تمام اصحابِ پیغمبرؐ

☆ اہل سنت والجماعت آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وکینہ رکھنے والوں سے کھلم کھلا اظہارِ براءت کرتے ہیں۔ ناصبی اس شخص کو کہتے ہیں جو اہل بیت سے علانیہ عداوت اور دشمنی رکھتا ہو اور ان کی شان میں توہین وتنقیص کا ارتکاب کرے۔ لیکن صد افسوس کہ بعض لوگ اہل سنت کو ناصبی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو شخص شیخین رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر مقدم کرے وہ ناصبی ہے۔ سینہ زوری کی حد یہ ہے کہ وہ اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنے کی جسارت کرتے ہیں' اور ایسا کرنے والے کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے کر دائمی جہنمی گردانتے ہیں۔ مگر ناصبی کی یہ تعریف قطعاً غلط ہے اور صحیح تعریف وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ اہل سنت والجماعت' اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرتے ہیں جیسا کہ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہے۔ زیرِ نظر بحث کے خاتمے پر آلِ رسولؐ کے باب میں اہل سنت کے اعتقاد کی وضاحت مکمل شرح وبسط سے کی جائے گی' اور اسی کے ضمن میں ناصبیت پر تفصیلی بحث ہوگی' اِن شاءاللہ۔ (مضمون نگار)

سے محبت کرے' اسے اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر لازم کرے کہ یہ ساری اُمت کا فرض ہے اور جمیع ائمہ دین وملت اس پر متفق ہیں۔ پس ان کی محبت سے وہی منحرف ہوگا جو ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں گر چکا ہو اور اس فریضے سے کوئی شخص روگردانی نہ کرے گا بجز اس کے جو ضلالت وگمراہی کی اتھاہ وادیوں میں سرگرداں ہو۔(۲۸)

(جاری ہے)

حواشی

(۱) الکفایة فی علم الروایة' الخطیب' ص ۹۷۔ نیز الاصابة فی تمییز الصحابة: ابن حجر العسقلانی' ج۱' ص ۱۰۔

(۲) فیض القدیر: المناویؒ' ج۲'ص۹۸۔

(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری: محمد بن اسماعیل بخاریؒ ' ج۷' ص ۳۔

(٤) فتح الباری: ابن حجر العسقلانی' ج۷' ص ٥۔

(٥) الاصابة' ج۱' ص ۱۰۔ نیز دیکھئے نزھة النظر شرح نخبة الفکر' ص ٥٥۔

(٦) الجامع لاحکام القرآن: القرطبی' ج۱۸' ص ۳۲۔

(۷) سنن الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللهﷺ' باب فیمن سب اصحاب النبیؐ' رقم: ۳۸٦۲۔ اسے امام احمد' امام ابن حبان' امام ابن ابی عاصم اور امام ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔ تاہم روایتاً یہ حدیث ضعیف ہے' اگرچہ اس کا مفہوم بالکل درست ہے۔

(۸) تحفة الاحوذی لشرح جامع الترمذی: عبدالرحمٰن مبارك پوری' ج۱۰' ص ۳٦٥۔

(۹) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب حب الانصار' ح۳۷۸۳۔ المکتبة السلفیة۔

(۱۰) فیض القدیر: المناویؒ' ج۱' ص ٦۲۔

(۱۱) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب حب الانصار۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی رضی اللّٰہ عنھم من الایمان...... الخ۔

(۱۲) صحیح مسلم شریف' حواله بالا۔

(۱۳) مسند احمد' ج۲' ص ٥۰۱۔ سنن ابن ماجه میں یہ روایت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ج۱' ص ٥۷۔ نیز دیکھئے السلسلة الصحیحة للالبانی' رقم ۹۹۱۔

(١٤) مجمع الزوائد: الھیثمی' ج۱۰'ص ۳۹۔ نیز سلسلة الاحادیث الصحیحة' ج٤' ص ۲۳٥۔

(۱٥) مسند احمد' ج٥' ص ۲۸٥۔ نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق' ج۱۱' ص ٥۹۔

(۱٦) مسند احمد' ج٤' ص ۲۸۳۔

(١٧) مسند احمد، ج٣، ص ٤٢٩۔ ***نیز دیکھئے*** مصنف عبدالرزاق، ج١١، ص٥٩۔ ***اسے علامہ البانی نے بھی*** سلسلة الاحادیث الصحیحة ***میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو*** ج٤، ص ٢٣٥۔

(١٨) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی رضی اللہ عنھم من الایمان......الخ، رقم:٧٤۔

(١٩) فتح المنعم شرح صحیح مسلم، ڈاکٹر موسیٰ شاھین لاشین، ج١، ص ٢٤٩۔

(٢٠) ***صحیح مسلم کی یہ دونوں شرحیں دار الکتب العلمیة (بیروت لبنان) نے یکجا شائع کی ہیں۔ ملاحظہ ہو*** ج١، ص ١٨٤۔

(٢١) المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: احمد بن عمر القرطبی، ج١، ص ٢٦٤۔

(٢٢) کتاب الکبائر: الذھبی، ص٢٣٤، ٢٣٥۔

(٢٣) عمدة القاری شرح صحیح البخاری، العینی، ج١، ص ١٥٢۔

(٢٤) کتاب الرقائق والحکایات، خیثمة بن سلیمان، ص ١٧١۔

(٢٥) شرح اصول اعتقاد اھل السنة: الالکائی، بحوالہ الوجیز فی عقیدة السلف الصالح، ص١١٨ (حاشیہ)، تالیف عبداللہ بن عبدالحمید الاثری۔

(٢٦) شرح العقیدة الطحاویة، (تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی وشعیب الارناؤوط، طبع دوم، مؤسسة الرسالة، ١٩٩٠ء) ج٢، ص ٦٨٩۔

(٢٧) العقیدة الواسطیة مع الشرح للشیخ خلیل ھراس، ص١٧٣۔ نیز قطف الثمر فی عقیدة اھل الاثر، ص١٠٣۔

(٢٨) لوامع الانوار البھیة : السفارینی، ج٢، ص ٣٥٤۔

❁❁❁

اسلامی بینکاری: چند اہم معروضات

محمد آصف احسان

یہ ایک تابندہ حقیقت ہے کہ کسی بھی انسانی معاشرے میں بسنے والے افراد یکساں اوصاف و خصائل کے حامل نہیں ہوتے' بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں مختلف خصائص و صفات سے نوازتے ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگ جبلی طور پر ذہنی وفکری صلاحیتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عقل وفہم کی بنا پر اخلاقی وتمدنی اور اقتصادی و مذہبی امور ومعاملات میں عوام الناس کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کچھ لوگ جسمانی وعملی قابلیتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ہمت وطاقت اور صنعت وحرفت کے بل بوتے پر مشکل اور دقت طلب کاموں کو بآسانی بجالاتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ دولت کی فراوانی اور رزق کی فراخی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زیر تسلط اسباب ووسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف اقتصادی شرح نمو میں اضافے کا باعث بنتے ہیں بلکہ ان لاتعداد افراد کے لیے روزگار کی فراہمی کا بھی ذریعہ بنتے ہیں جو مال ومنال کے فقدان اور اسباب کی قلت کی وجہ سے تنگ دستی اور زبوں حالی کا شکار ہوتے ہیں۔ بنی نوعِ بشر کے مابین کیفیات وخصوصیات اور حالات و واقعات کے اعتبار سے پایا جانے والا یہ اختلاف وتنوع بلا شک وشبہ حضرتِ انسان کی معاشرتی حیات کی بقا کا ضامن ہے۔ اگر خالق کون ومکان جملہ انسانیت کو ایک جیسی ذہانت وفطانت' قدرت وجواں مردی اور دولت وثروت عطا فرما دیتے تو نہ کوئی تابع ہوتا نہ کوئی متبوع' نہ کوئی بالادست ہوتا نہ کوئی زیردست اور نہ کوئی حاجت مند ہوتا نہ کوئی حاجت روا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ شب وروز کے وہ تمام کام جن کی انجام دہی کے لیے اشتراکِ عمل ناگزیر ہے' ادھورے رہتے اور کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے ایجاز واختصار کے ساتھ یوں بیان کیا ہے:

﴿ اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ

وَرَحۡمَتُ رَبِّکَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ﴿۳۲﴾ (الزخرف)

''کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے' تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔''

سوال یہ ہے کہ کیا ہر مالدار شخص تجارت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے......؟ کیا اسے مالیاتی اُمور پر مکمل عبور ہوتا ہے......؟ اور کیا وہ کاروبار میں زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کو یقینی بنانے کے طریقوں سے آگاہ ہوتا ہے......؟ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے' یعنی صاحبِ ثروت ہونا اہلیت تجارت کو مستلزم نہیں' اور ضروری نہیں کہ ہر دولت مند شخص اقتصادی پیچیدگیوں اور کاروباری باریکیوں سے بھی باخبر ہو۔ اس تناظر میں افرادِ معاشرہ کو مندرجہ ذیل چار بنیادی انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) ایسے متمول افراد جو تجارت بھی کر سکتے ہیں۔

(۲) ایسے متمول افراد جو تدبیر کی کمی' مہارت کی عدم دستیابی اور قابلیت کے فقدان کی بنا پر تجارت کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

(۳) ایسے افراد جو دولت مند تو نہیں ہوتے مگر تجارت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(۴) ایسے افراد جو مال و دولت بھی نہیں رکھتے اور تجارت کرنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہوتے ہیں۔

ان سب کو اپنے تنفس کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے ایک دوسرے پر لازماً انحصار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کے افراد اپنی معیشت کی بہتری اور دولت میں بڑھوتری کے لیے چوتھی قسم کے افراد کی جسمانی وعملی اور ذہنی وفکری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ عمل ریاست میں نہ صرف اقتصادی استحکام اور سرمایہ کاری کے فروغ کا باعث بنتا ہے بلکہ ہنرمند افرادی قوت کو بالخصوص اور نادار و مفلس طبقے کو بالعموم روزگار کے وافر مواقع بھی مہیا کرتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بے شمار ہیں۔ تجارت کے اصول وضوابط سے ناآشنا دولت مند افراد ایسے ایماندار' مخلص اور باصلاحیت لوگوں کے متلاشی ہوتے ہیں جو اپنی کاروباری مہارتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی دولت میں اضافے کا ذریعہ بن سکیں'

جبکہ تجارت کے قواعد وقوانین سے واقف مگر دولت نہ رکھنے والے افراد کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو مختلف نفع بخش تجارتی منصوبوں کے لیے انہیں سرمایہ فراہم کرسکیں۔ گویا دوسری اور تیسری قسم کے افراد بھی نیل مرام کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کے درمیان رابطہ اور باہمی معاملہ مندرجہ ذیل دو طریقوں ہی سے ممکن ہے:

(۱) سرمایہ کاری کرنے والا (Investor) کاروبار کرنے والے (Entrepreneur) کے ساتھ براہِ راست رابطہ کرے اور یوں دونوں کے اشتراکِ عمل یعنی ایک کے سرمائے جبکہ دوسرے کی محنت سے کسی کاروبار کی ابتدا ہو۔ اگرچہ بیان کرنے کی حد تک تو یہ بھی ایک طریقہ ہے، لیکن بلاشک وشبہ یہ طریقہ اندیشہ ہائے گوناگوں سے لبریز ہے۔ تفصیل اس اجمال پُر ملال کی یوں ہے کہ روزمرہ معاملات کی بابت عصر حاضر کا سب سے عظیم المیہ عوام الناس میں امانت ودیانت اور صدق وصفا کا فقدان ہے۔ سرمایہ کاری کی اوّلین ترجیح کسی ایسے باضمیر، فرض شناس اور راست رو شخص کا انتخاب ہوتا ہے جو اس کی دولت کو کمالِ احتیاط اور صدقِ نیت کے ساتھ استعمال کرے۔ ہمارے معاشرے میں کتنے افراد اس معیار پر پورا اترتے ہیں، اس کا اندازہ ہر وہ شخص بخوبی لگا سکتا ہے جو خود عملی طور پر تجارت کے پیشے سے منسلک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مالیاتی امور کے بارے میں غیروں پر اعتماد اور بھروسہ تو درکنار، اکثر اعزہ واقارب ہی جہاں میں ''صورتِ عقارب'' جیتے ہیں۔ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے......

(۲) سرمایہ کاری کرنے والا کسی ایسے مالیاتی ادارے (Financial Institution) سے رجوع کرے جو اچھی شہرت اور ساکھ کا حامل ہو اور لوگوں کی تجارتی ضروریات کو بطریق احسن پورا کرنے کا اہل ہو۔ ایسا ادارہ اساسی طور پر سرمایہ کاری کرنے والوں کی رقم کو ایک طرف وصول کرتا ہے اور دوسری طرف تجارت کی غرض سے سرمائے کے طلب گار افراد کو فراہم کرتا ہے۔ ایسے ادارے کی کل سرمایہ کاری کافی بڑی رقم پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے اس کا مجموعۂ حصص (portfolio) بھی معاشی اصولوں کے عین مطابق متنوع (diversified) ہوتا ہے۔[۱]

اس سے تجارت میں درپیش مختلف خطرات (risks) کے اثرات کو کامرانی کے ساتھ نہ صرف کم کیا جاتا ہے بلکہ معقول شرح کے ساتھ منافع کے حصول کو بھی یقینی بنایا جاتا ہے، اور رقم کے تناسب کے اعتبار سے یہ منافع سرمایہ کاری کرنے والوں کو رأس المال (principal) سمیت ادا کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسے مالیاتی ادارے کو حکومت کی ضمانت حاصل ہوتی ہے اس لیے

اس میں دھوکہ دہی‘ جعل سازی اور رقم میں خورد برد کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

بینک ایک ایسا مالیاتی ادارہ ہی ہے جو دیگر تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ مندرجہ ذیل دو بنیادی امور سرانجام دیتا ہے:

(۱) قرض لینا (Borrowing) (۲) قرض دینا (Lending)

ایک طرف بینک آسودہ حال افراد سے رقم بطورِ قرض وصول کرتا ہے اور دوسری طرف یہی رقم لوگوں کو اپنی مختلف حاجات بشمول تجارتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے بطورِ قرض دیتا ہے۔ان معاملات سے متعلقہ روایتی بینکاری (Conventional Banking) کا مکمل ڈھانچہ سودی نظام پر استوار ہے‘ جس کے تحت قرض دار (debtor) سے قبل ازیں متعین شدہ (predetermined) شرح کے ساتھ سود لیا جاتا ہے اور قرض خواہ (lender) کو پہلے سے طے شدہ شرح کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔

اسلام نے اپنی واضح تعلیمات میں سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾﴾ (البقرۃ)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ پس اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے‘‘۔

اس کے علاوہ ایک صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ آکِلَ الرِّبَا وَمُؤْکِلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاھِدَیْہِ وَقَالَ: ((ھُمْ سَوَاءٌ)) (۲)

’’رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے والے پر‘ سود کھلانے والے پر‘ سود (کا حساب) لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر‘ اور فرمایا: ’’یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔‘‘

ان شرعی نصوص ہی کی بنا پر سود کی حرمت پر اجماعِ اُمت ہے۔ (۳)

ان حقائق و واقعات کی روشنی میں ان راسخ العقیدہ اور سچے مسلمانوں کو انتہائی پراگندگی

اور ابتلاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو حلال ذرائع آمدنی کے جویا ہوتے ہیں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں معاشی ترقی کی اہمیت سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مضبوط معیشت بقاء وسلامتی کی ضمانت ہے۔ اقتصادی استحکام حاصل ہو تو اندرونی خطرات اور بیرونی مشکلات سے بآسانی نبٹا جا سکتا ہے۔ امیر اور خوشحال افراد کو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود معاشرے میں بلند رتبہ حاصل ہوتا ہے' جبکہ کم مایہ اور فلاکت زدہ لوگ خواہ اوصافِ جلیلہ اور خصائل حمیدہ ہی سے متصف کیوں نہ ہوں' معاشرتی ادب واحترام اور عزت و توقیر سے محرومی کا داغ لیے پھرتے ہیں۔ اسلام دنیا میں مسلمانوں کی بالادستی اور سیادت کا علم بردار ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی چاردانگ عالم میں نمایاں اور رفیع مقام حاصل ہو۔ اس کے لیے جہاں دوسرے اجزاء وعناصر کی موجودگی ناگزیر ہے وہاں معاشی استحکام بھی ازحد ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کو قیامِ زندگی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اپنے مال کو نادان لوگوں کے حوالے کرنے سے منع فرمایا ہے مبادا وہ اسے ضائع کر دیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا﴾(النساء:۵)

''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے' نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔''

اس کے علاوہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عطا کردہ مال میں سے آخرت کی تیاری کرنے کا حکم دیا وہاں مال و دولت کی بابت اپنے دنیوی حصے کو فراموش نہ کرنے کی بھی تلقین و ہدایت فرمائی۔ فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا﴾
(القصص:۷۷)

''اور جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی))[٤]

''بالائی ہاتھ (یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والا) زیریں ہاتھ (یعنی دوسروں سے مانگنے والا) سے بہتر ہے''۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((اَلتَّاجِرُ الصُّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ))(۵)

''سچائی اور دیانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

اگر دریوزہ گری کے علی الرغم انفاق فی سبیل اللہ ایک محمود فعل اور حلال وحرام کی قیود کو مدنظر رکھتے ہوئے تجارت کرنا ایک مستحسن اقدام ہے تو عہد حاضر میں مسلمان سرمایہ کاروں کے لیے ایسا ادارہ جاتی نظام (Institutionalized System) وضع کرنے کی ضرورت ہے جو سود سے پاک اور شرعی احکام سے ہم آہنگ ہو۔ اسلامی بینکاری روایتی بینکاری کا ایک ایسا واضح اور قابل عمل متبادل ہے کہ جس کی نظریاتی اور عملی بنیادیں شریعت اسلامیہ کے بتائے گئے اصول وضوابط پر استوار ہیں۔ اسلامی بینکاری ان مسلمانوں کے لیے کامل اطمینان اور تسلی کا باعث ہے جو سودی نظام سے نجات کے خواہاں اور افزائش مال کے ساتھ دولت کی منصفانہ تقسیم کے بھی آرزومند ہیں۔ اس تناظر میں چند اہم معروضات پیش خدمت ہیں:

(ا) دینی احکام عبادات اور معاملات پر مشتمل ہیں اور اسلام ان دونوں کے مجموعۂ کاملہ کا نام ہے جس میں کلی طور پر داخل ہونے کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔''

ہمارا المیہ یہ ہے کہ اوّل تو اکثر مسلمان دین پر عمل کے اعتبار سے راہِ اعراض وغفلت پر گامزن ہیں' اور جو کسی نہ کسی حد تک عمل پیرا ہیں تو وہ بھی اس کے حکموں کو صرف عبادات جیسے نماز' روزہ وغیرہ ہی تک محدود سمجھتے ہیں اور معاملات جن کا دائرہ کار عبادات سے بھی زیادہ وسیع اور نازک ہے' کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے' بلکہ انہیں اپنے میلانِ نفس اور ذاتی خوشنودی کے تابع رکھتے ہیں۔ اَن گنت لوگ ہیں جو عبادات کی ادائیگی میں تو شہرتِ عامہ رکھتے ہیں لیکن اقتصادی وسماجی معاملات میں پرلے درجے کے خودغرض' دغاباز اور دروغ گو ہوتے ہیں۔ اگر عوام الناس معاملات کو دین کے دائرے سے خارج گردانتے ہیں اور اس سلسلے میں عدم احتیاط اور کوتاہی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس کا بھی بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے محترم اور ذی وقار علمائے کرام کے خطبات ومواعظ کا زیادہ تر حصہ عبادات ہی کے احکام و

مسائل پر مشتمل ہوتا ہے اور معاملات بالخصوص تجارت کے شرعی قواعد وقوانین کو بہت کم بیان کیا جاتا ہے۔ میرے لیے یہ امر ہمیشہ سے تأسف ورمیدگی کا باعث رہا ہے کہ اگر معاملات دین کا حصہ ہیں (واضح رہے کہ قرآن حکیم کی سب سے طویل آیت (البقرۃ:۲۸۲) معاملات ہی کے بارے میں ہے)، اگر بیع وشراء کے باب میں اوامر ونواہی کی ایک طویل فہرست موجود ہے اور اگر لوگ اس فہرست سے کلی یا جزوی طور پر لاعلم ہیں تو ان کی کما حقہ' راہنمائی کیوں نہیں کی جاتی......؟ لق ودق صحرا میں محوسفر ساربان جب شب یلدا کے آخری پہر رختِ سفر باندھتے ہیں اور اپنے اونٹوں کے کجاوے کستے ہیں تو محمل نشین منزل کا تصور کرتا ہے اور آسودگی کی ردا اوڑھ کر قرب وجوار کی ہولنا کیوں سے بے پروا ہو جاتا ہے' مگر راستے کی تہہ در تہہ اور پر پیچ گھاٹیوں کے اسرار سے بے خبر بدرقہ رم واضطراب کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں وساوس آتے ہیں اور اندیشے سر ابھارتے ہیں......قطار در قطار' مسلسل اور بے دریغ ع

''کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری''

قصہ کوتاہ یہ کہ عوام الناس میں اس شعور کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ محض عبادات پر عمل پیرا ہونا ہی نجات کے لیے کافی نہیں بلکہ معاملات کی باحسن طریق بجا آوری بھی لازمی ہے۔ تجارت کے حوالے سے انہیں حلت وحرمت کے جدید مسائل سے کما حقہ آگاہ کیا جائے' روایتی بینکوں کے ساتھ سودی بنیادوں پر معاملات استوار کرنے سے روکا جائے اور سرمایہ کاری کرنے والوں کو اسلامی بینکوں سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا جائے۔ ان تمام امور کو علمائے شرعِ متین بطریق احسن سرانجام دے سکتے ہیں اگر آمادہ ہوں تو......!

(۲) روایتی بینکاری صدیوں پرانی ہے جبکہ اسلامی بینکاری کو شروع ہوئے تقریباً تیس چالیس سال گزرے ہیں۔ روایتی بینکاری سال خوردہ ہونے کی بنا پر زیادہ تجربہ کار ہے۔ یہ اپنے مالیاتی امور ومعاملات کے خدوخال واضح طور پر متعین کر چکی ہے جبکہ اسلامی بینکاری ہنوز عبوری دور (Transitional Period) سے گزر رہی ہے اور اس کے بعض معاملات شریعت اسلامیہ کی رو سے ابھی تک اصلاح طلب ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف جو لوگ علومِ شریعت کا درک رکھتے ہیں وہ جدید اقتصادی نظام' عالمِ اسلام کو درپیش بین الاقوامی معاشی تحدیات (Economic Challenges) اور بینکاری سے ناواقف ہیں اور دوسری طرف جو لوگ متمدن مالیاتی نظام کے ماہر ہیں وہ علومِ شریعت سے بے بہرہ ہیں' الّا ماشاء اللہ۔ چنانچہ

اسلامی بینکاری کے میدان میں ایسے اولوالعزم اور مشاق افراد کی اشد ضرورت ہے جو نہ صرف موجودہ اقتصادی و معاشی نظام اور بینکاری کی پیچیدگیوں سے واقف ہوں بلکہ قرآن حکیم‘ احادیث مبارکہ اور فقہ پر بھی کمال درجے کی دسترس رکھتے ہوں۔

پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے دینی مدارس درخشاں اور شاندار علمی روایات کے امین ہیں۔ کتنا اچھا ہو اگر یہ اپنے نصاب میں اسلامی بینکاری اور مالیات (Finance) کو بھی شامل کر لیں‘ تاکہ اُمت مسلمہ اپنی روزمرہ معاشی ضروریات وحاجات کو ثقہ اور قابل اعتماد افراد کی راہنمائی وسرکردگی میں سرانجام دے سکے!

(۳) اقتصادی و معاشی حوالے سے آج مسلمانوں کو من حیث القوم بے شمار مسائل و مصائب کا سامنا ہے۔ یہ ایک زہرہ گداز حقیقت ہے کہ ایک طرف تو اہل اسلام کی اکثریت اپنی معاش کے حوالے سے حالات کی غیر یقینیت‘ ابتری اور زبوں حالی کا شکار ہے جبکہ دوسری طرف مغربی ممالک اپنے اسباب و وسائل کے موزوں استعمال اور اغراض و مقاصد کے ساتھ والہانہ وابستگی کی بنا پر معاشی میدان میں اپنا تسلط جما چکے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (International Monetary Fund)‘ ورلڈ بینک اور پیرس کلب[٦] جیسے مضبوط عالمی مالیاتی اداروں کی پوری دنیا کے معاشی نظام پر اجارہ داری ہے۔ یہ پسماندہ وترقی پذیر ممالک‘ جن کی اکثریت اسلامی ملکوں پر مشتمل ہے‘ کو بھاری شرح سود پر قرضے دیتے ہیں‘ ان کے اندرونی معاشی معاملات میں بے جا مداخلت کرتے ہیں اور محض اپنی حاکمیت وفوقیت کو برقرار رکھنے کے لیے انہیں داخلی طور پر غیر مستحکم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔

تاہم مغربی مفکرین و ماہرین نے موجودہ اقتصادیات و مالیات میں کارہائے نمایاں بھی سرانجام دیے ہیں۔ انہوں نے ایسی کاروباری مصنوعات (Business Products) اور مالیاتی پالیسیاں (Fiscal Policies) وضع کی ہیں جو عہد حاضر کی تجارتی ضروریات اور معاشی حاجات کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہیں۔ اہل مغرب اخلاقی و مذہبی قدغنوں سے آزادی کے مسلک پر عمل پیرا ہیں اور معیشت وتجارت میں الہامی تعلیمات کو قابل التفات نہیں سمجھتے‘ جبکہ ہم مسلمان ہونے کے ناتے شرعی حدود و قیود کے پابند ہیں اور ان سے سرِ مو انحراف نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کاروباری مصنوعات اور مالیاتی پالیسیوں کو زیر استعمال لانے سے قبل شریعت اسلامیہ کی کسوٹی پر پرکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ان میں سے جو شرعی احکام کے موافق ہوں انہیں

قبول کر لیا جائے اور جو متصادم ہوں انہیں ردّ کر دیا جائے۔ ایک عمومی اصول کے طور پر میرا خیال ہے کہ جدید معاشی نظام اور بینکاری کے ضمن میں مغربی ممالک کے تجربات وعلوم سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ شریعت سے ہم آہنگ ہوں۔ ہمارے بعض مہربان قدردان ایسے بھی ہیں جو کسی شے کو محض مغرب سے درآمد شدہ ہونے کی بنا پر حرام قرار دے دیتے ہیں یا اس وجہ سے کہ اس کا نام انگریزی میں ہوتا ہے ؎

شوق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

یہاں پر مسئلہ ان کاروباری مصنوعات اور تجارتی طریقوں کا ہے جو اگرچہ سود مند ہیں تاہم اوامر شریعت کی رو سے مکمل طور پر جائز نہیں۔ اس کی نمایاں مثال Financial Derivatives ہیں جو Forward Contracts‘ Options Futures Contracts اور Swaps پر مشتمل ہیں۔ Financial Derivatives ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مارکیٹ میں پائے جانے والے مختلف خطرات کے ممکنہ برے اثرات کو بقدر امکان کم کرنے (Hedging) کے لیے وسیع پیمانے پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں تقلیل خطرہ (Risk Mitigation) کے اعتبار سے بلاشک وشبہ فوائد بھی ہیں‘ لیکن ان کی بعض اقسام سود اور غرر (Uncertainty) وغیرہ پر بھی مشتمل ہیں جو کہ لازمی طور پر مسلمانوں کے دائرۂ استعمال سے خارج ہیں۔(۷)

ایسی اشیاء کے متعلق ہمارا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم ان کی حرمت کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان کا کوئی ایسا متبادل (alternative) پیش نہیں کرتے جو نہ صرف شرعی احکام سے مطابقت رکھتا ہو بلکہ فوائد وثمرات کے حوالے سے حرام قرار دی گئی شے کے بھی متوازی وہم پلہ ہو۔ اسلامی شریعت نے ممنوعہ اشیاء کی حرمت وممانعت ہی کو بیان نہیں کیا بلکہ اہل اسلام کو ان کے شرعی متبادل سے بھی آگاہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱) سود کا متبادل تجارت ہے۔ واضح رہے کہ ’’متبادل‘‘ تجارت کو اللہ نے پہلے بیان کیا اور حرام کردہ شے یعنی سود کو بعد میں۔ (البقرۃ:۲۷۵)

(۲) زنا کا متبادل نکاح ہے۔

(۳) شراب اور خنزیر کے متبادل پاکیزہ مشروبات اور دوسرے حلال جانور ہیں۔

(۴) ایک حدیث میں رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((لَا یَتْفِلَنَّ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ رِجْلِهٖ))(۸)

''تم میں سے کوئی اپنے سامنے نہ تھوکے اور نہ اپنی دائیں طرف' بلکہ (متبادل کے طور پر) اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے''۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر پوچھنے والے کو تعبیر بعد میں بتائی' پہلے اس کا حل یعنی متبادل بیان کیا۔ متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں:

﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْکُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْکُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ (یوسف)

''یوسف اے بڑے سچے! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیں کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات سوکھے' تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں شاید کہ وہ (آپ کی قدر) جانیں۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے' تو جو (غلہ) کاٹو' تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے باقی کو خوشوں ہی میں رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت (سال) آئیں گے کہ جو غلہ تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔''

ضرورت اس امر کی ہے کہ بینکاری و جدید معاشی نظام میں استعمال ہونے والی جو کاروباری مصنوعات شریعت کی رو سے جائز نہیں ان کی محض ممانعت ہی سے مسلمانوں کو آگاہ نہ کیا جائے بلکہ عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام الناس میں ان کا شرعی متبادل بھی متعارف کروایا جائے تاکہ لوگ اپنی تجارتی ضروریات کو حلال طریقوں کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

(۴) اکثر لوگ کہتے ہیں کہ روایتی اور اسلامی بینکاری میں محض نام کا فرق ہے اور ان کی پیش کردہ مصنوعات (products) کی شرائط وخصوصیات ایک جیسی حقیقت ونوعیت کی حامل

ہیں۔ یہ اعتراض کسی حد تک درست بھی ہے اور کسی حد تک جہالت و ناواقفیت اور غیر حقیقت پسندی پر مبنی بھی۔ سطور گزشتہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اسلامی بینکاری عبوری دور سے گزر رہی ہے اور شرعی اصول وضوابط کے ساتھ مکمل مطابقت وموافقت کی بابت اسے کئی داخلی و خارجی مسائل ومشکلات کا سامنا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کا بیشتر عملہ تجارت اور مالیاتی امور کی شرعی عملی صورتوں سے نابلد ہے۔

عصر حاضر کے علمائے کرام بینکوں میں ملازمت کے حوالے سے عدم جواز کے قائل ہیں۔ روایتی بینکوں کے حوالے سے تو مسئلہ واضح ہے' لیکن اگر اسلامی بینکوں میں بھی ملازمت کرنے کو ناجائز قرار دے دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ پھر غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح کیسے ہوگی......؟ اگر کہا جائے کہ پہلے اسلامی بینک مکمل طور پر شریعت سے ہم آہنگ ہو جائیں پھر ان میں ملازمت کرنا جائز ہوگی تو میں اس استفسار پر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ کیا اس ہم آہنگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے یا جنات کی خدمات مستعار لی جائیں گی......؟

جس طرح اسپ سبک تاز اپنے سوار کے آسن کو اور فیل اپنے مہاوت کے آنکس کو پہچانتا ہے اسی طرح مناسب یہ ہے کہ اسلامی بینکوں میں ایسے افراد عملی طور پر کام کریں جو اپنی مہارتِ تامہ سے ہر پست کو بالا کر دیں اور شریعت کی روشنی میں بینکاری کو مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھال دیں۔ طفل شیر خوار ٹھوکریں کھا کر ہی چلنا سیکھتا ہے۔ اگر وہ مدتِ دراز تک مسہری پر محو استراحت رہے تو اندازِ خرام سے آشنا ہونا تو درکنار' دیگر اعضاء کو بھی مفلوج کر بیٹھے گا۔ اسلامی بینکاری کی اصلاح بھی اس میں شرکت کے ساتھ ٹھوکریں کھاتے ہوئے ہی ہوگی' وگرنہ یہ عبوری دور اس روز تک جاری رہے گا جب زالِ کوزہ پشت (The Sky) کی بلندیوں میں طلوع ہونے والا طائر زریں بال (The Sun) اپنی برق آساحدت وتمازت کھو بیٹھے گا اور کائنات کی بے کراں وسعتیں لمن الملک الیوم کی صدا سے آشنا ہو جائیں گی۔

حواشی

(1) Diversification means the spreading of an investment portfolio over a wide range of companies to avoid serious losses if a recession is localized to one sector of the market. (Oxford Dictionary of Finance and Banking. P:119

(۲) صحیح مسلم، کتاب المساقاة ، باب لعن آکل الربا ومؤکله۔

(۳) صحیح مسلم بشرح النوویؒ، ج۷، ص ۴۳۰۳۔ وکتاب المجموع شرح المھذب للنوویؒ ، ج۹، ص ۴۸۷۔ والمغنی لمحمد بن قدامہ، ج۴، ص ۳۔ وسبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانیؒ، ج۳، ص ۷۰۔ والفقہ الاسلامی وادلتہ للدکتور وھبہ الزحیلی، ج۵، ص ۳۶۹۹۔

(۴) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ،باب لا صدقۃ الا عن ظھر غنی۔وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی......

(۵) جامع الترمذی، ابواب البیوع عن رسول اللہﷺ، باب ما جاء فی التجار وتسمیۃ النبیﷺ ایاھم۔

(۶) پیرس کلب کو(Group of Ten (G10 بھی کہتے ہیں۔اس میں بیلجیم، کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، ہالینڈ، سویڈن، برطانیہ اورامریکہ شامل ہیں۔

(۷) بین الاقوامی تجارت میں Financial Derivatives کی اہمیت تسلیم شدہ ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کا سالانہ تجارتی حجم تین ہزار ارب امریکی ڈالر سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔بعض مسلمان ماہرین اقتصادیات نے اسلامی احکام کی روشنی میں Financial Derivatives کا تجزیہ کیا ہے اوران کی شرعی حیثیت کومتعین کرنے کی کوشش کی ہے۔تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) Bacha, Obaiyatullah Ismath. (1997) Derivatives Instruments and Islamic Finance: Some Thought for a Reconsideration, International Journal of Islamic Financial Services. Vol.1.No.1

(ii) Kamali, Mohammad Hashim. (1996) Islamic Commercial Law: An Analysis of Futures. The American Journal of Islamic Social Sciences, 13(2), 197-224.

(iii) Obaidullah, Mohammad. (1998). Financial Engineering with Islamic options. Islamic Economic Studies, 6 (1), 73-103-

(iv) Usmani, Mufti Muhammad Taqi, (1996). Options, Futures, Swaps and Equity Investment. New Horizon. June.

(۸) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب لا یبصق عن یمینہ فی الصلاۃ۔